Krishen Number.

OM

August, 1960

As -/8/-



ایڈیٹر
گورکھ ناتھ نندہ

سالانہ چندہ ۔/۶ روپے
ممالک غیر سے ۸/۶ روپیہ

قیمت
فی پرچہ
آٹھ آنہ

رسالہ "اوم" دہلی

فہرست مضامین بابت اگست و ستمبر ۱۹۶۰ء

(نوٹ) یہ پرچہ ماہ اگست و ستمبر ۶۰ء دو ماہ کا مشترکہ ہے۔ ماہ ستمبر کا کوئی علیحدہ پرچہ شائع نہیں ہوگا۔ ماہ اکتوبر ۶۰ء کا پرچہ یکم اکتوبر ۶۰ء کو شائع ہوگا۔ نوٹ فرمادیں۔ (مینجر)

(شری برہمانند بی اے پرنٹر پبلشر کے باہتمام کھنہ الیکٹرک پریس دہلی میں چھپا اور دفتر رسالہ اوم اجمیری گیٹ بازار دہلی سے شائع ہوا)

پرارتھنا

مہارانی گنگا کے چرنوں میں

جے جے مہارانی گنگے میرا اُدھار کردے
اپنی کرپا سے میرے بیڑے نوں پار کردے —— جے جے مہارانی...
سورگ سے آئی میّا پاپیاں دے تارنے نوں
چرناں وچ رکھ لے مینوں اتنا اُپکار کردے —— جے جے مہارانی...
تیرا پرواہ میّا پاپاں نوں روہڑ دا اے
اپنے بھگتاں دی خاطر امرت دی دھار کردے —— جے جے مہارانی...
بن کے سوالی میّا آیا جو در تیرے تے
تو جگ جننی اُس دے پورے بھنڈار بھردے —— جے جے مہارانی...
داس ناداں میّا عرض گذار دا اے
تو جگ جننی سکھیا سارا سنسار کردے —— جے جے مہارانی...
جے جے مہارانی گنگے میرا اُدھار کردے

بھگوان کرشن کی نیتی اور سدرشن چکر"

شری اندرجیت گاندھی - صدر سنٹرل مجلس ادب دہلی رجسٹرڈ

بھگوان کرشن کے جنم دوس کے سلسلے میں جنم اشٹمی کا تہوار پانچ ہزار سال سے منایا جا رہا ہے - یہ تہوار ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ دُنیا کے ہر اُس کونے میں منایا جاتا ہے - جو نیتی اور بل (طاقت) کی اہمیت سے واقف ہیں - جنم اشٹمی کا تہوار مناتے ہوئے بھگوان کرشن کی زندگی پر روشنی ڈالی جاتی ہے، اس مضمون میں بھی بھگوان کرشن کی ابتدائی زندگی - سُدرشن چکر اور یُدھ نیتی کے بارے میں بڑے اختصار کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے -

بھارتیہ جاتی کے مورثِ اعلےٰ بھگوان کرشن تمام اوصاف رکھتے تھے - آپ اُن تمام خوبیوں کے مالک تھے - جو ایک مہان ہستی کے پاس ہونی ضروری ہیں - اسی لئے بھگوان کرشن کو سولہ۱۶ کلاں سمپورن یعنی پُورن اوتار مانا گیا ہے، اور اُن سب خوبیوں اور سب اوصاف کو یہاں بیان کرنا آسان ہی نہیں، بعید از قیاس بھی ہے -

راجہ کنس کا ظلم و ستم حد سے بڑھ چکا تھا - لوگوں کو کنس کی جے کے نعرے بلند کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا - ایسا نہ کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں - پرجا اس ظالم راجہ سے اس حد تک تنگ آ چکی تھی کہ وہ صبح و شام، رات دن، اس سے چھٹکارا پانے کے لئے دُعائیں مانگتی تھی - پرجا کی آواز صدا بہ صحرا ہو کر بارگاہ عالی کے دربار میں پہنچ چکی تھی کہ بھادوں کی ایک کالی (اماوس) رات کو جبکہ سارا عالم سو رہا تھا اور یہ کالی رات اپنی آدھی منزل طے کر چکی تھی کہ بھگوان کرشن کا جنم ہوا - قیدخانے کے تالے خودبخود کھل گئے - بڑی حفاظت اور احتیاط کے ساتھ بھگوان کرشن کو نند نامی گوالوں کے راجہ کے ہاں پہنچا دیا گیا اور اُس کی لڑکی کو گود لے لیا گیا - کنس کو جب خبر ملی کہ اس کو مارنے والا جنم لے چکا ہے تو اس کے پیروں تلے کی زمین ہل گئی - کنس دماغی توازن کھو بیٹھا - کنس چاہتا تو وہ نیتی کو اپنا کر لوگوں کی ہمدردی حاصل کر سکتا تھا - رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرتا - اپنے حسنِ سلوک اور حکمتِ عملی سے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا - تو شائد کنس کے بھگوان کرشن کے ہاتھوں مارے جانے کی نوبت نہ آتی -

راجہ کنس نے بھگوان کرشن کو مار ڈالنے کی کوشش کی، مگر یہ کوشش بیکار رہی - "جس کو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے" مرنے والی نند کی لڑکی تھی - بھگوان کرشن کے دھوکے میں جب اس لڑکی کو اوپر ہوا میں اُچھالا گیا تو مایا رُوپی لڑکی کا جسم کنس کو چیتاونی دے گیا - کہ اے کنس! تیرے مارنے والا تو زندہ ہے" - یہ سُن کر کنس بہت سٹپٹایا - اور پھر اُس نے نوزائیدہ بچّوں کو زہر دے کر مارنے کی تجویز پر عمل شروع کر دیا - پوتنا نام کی ایک عورت کو اس کام کے لئے مامور کیا گیا - کہ وہ بھگوان کرشن کو دُودھ میں زہر مِلا کر پلا دے، لیکن پوتنا بھگوان کرشن کو جامِ فنا پلانے کی کوشش میں ہی موت کا شکار ہو گئی -

کنس نے اس پر بھی صبر نہ کیا، بلکہ اُس نے کمال خُوبی سے دربارِ عام میں بھگوان کرشن کو بُلایا - خاص دعوت کا اہتمام کیا گیا - یہاں بھی کنس کی سازش ناکام رہی - کیونکہ قدرت کو منظور ہی یہی تھا کہ کنس بھگوان کرشن کے ہاتھوں مارا جائے - چنانچہ ایسا ہی ہوا -

راجہ کنس بھگوان کرشن کے ہاتھوں مارا گیا۔ لوگوں کو جابر اور ظالم حکومت سے رہائی ملی۔ اور لوگوں نے ایک مدت بعد سکھ کا سانس لیا۔ بھگوان کرشن نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال کر کس طرح حکومت کی؟ کرن۔ بھیشم پتامہ۔ جیادرتھ۔ درون آچاریہ جیسے بہادروں اور جراسندھ اور کنس جیسے ظالموں کا کس کس طرح ناش کیا۔ یہ ایک طویل اور الگ داستان ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بھگوان کرشن کے پاس ان سب پر قابو پانے کے لئے سدرشن چکر تھا اور نیتی بھی تھی۔ سدرشن چکر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ

سُدرشن چکر

مہابھارت کی عظیم جنگ جب ختم ہوگئی۔ کوروؤں کو شکست فاش اور پانڈوؤں کو شاندار فتح حاصل ہوئی، اور چاروں طرف جب امن قائم ہوگیا تو بھگوان کرشن کو یہ فکر دامنگیر ہوا۔ کہ اب جب کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ سدرشن چکر کی اب ضرورت باقی نہیں رہی۔ لہٰذا اس کو کہیں محفوظ مقام پر سنبھال کر، اور بڑی احتیاط کے ساتھ رکھ دیا چاہیئے۔ بھگوان کرشن نے اس خواہش کا اظہار کیا۔ تو دریودھن کی ماتا گاندھاری نے بھگوان کرشن سے التجا کی، کہ مہابھارت کے یدھ میں میرا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ اس عظیم ہتھیار کو یادگار کے طور پر میری جنم بھومی میں ہی رکھا جائے۔ بھگوان کرشن چونکہ نیتی وان تھے۔ اس لئے سخت دل بھی تھے۔ اس کے باوجود مسکراہٹ، نرمی اور انکساری کے جذبات بھی رکھتے تھے۔ بھگوان کرشن نے ماتا گاندھاری کی درخواست مان لی۔ کہتے ہیں کہ سدرشن چکر ہمیشہ گھومتا رہتا تھا، اور جس دشمن کا نشانہ بنانا مقصود ہوتا تھا۔ سدرشن چکر اس کو مار کر خود ہی واپس آجایا کرتا تھا۔ بہر حال بھگوان کرشن نے گاندھاری ماتا کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے گاندھار دیش (قندھار) کے بڑے پہاڑ کی ایک کھڈ میں سدرشن چکر کو رکھوا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ قندھار کے علاقہ میں ایک بڑی غار اب بھی موجود ہے۔ اسے شمشیر غار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے مرکز میں لوہے کا بنا ہوا ایک گول چکر ہے۔ اس چکر کے چاروں طرف تلواریں بنی ہوئی ہیں۔ اور یہ چکر اب بھی تیز رفتار سے گھومتا رہتا ہے اور یہ کیوں اور کس طرح گھوم رہا ہے۔ اس کے بارے میں کھوج کی گئی ہے۔ لیکن سائنسدانوں کے تجربات بھی بے بس ہو چکے ہیں۔

یُدھ نیتی

بھگوان کرشن نے مصلحت کے مطابق یعنی جب جب ضرورت محسوس کی، نیتی سے کام بھی لیا۔ وہی نیتی بھگوان کرشن کی یدھ نیتی یعنی سیاست کہی جاتی ہے۔ بھگوان کرشن نے مہابھارت کے میدان جنگ میں ارجن سے کہا۔ "میں نیتی ہوں اور تم بل۔ نیتی اور بل کا ایک ساتھ ہونا ہی کامیابی ہے۔ جو شخص نیتی کا استعمال نہیں کرتا وہ فتح کے صرف خواب ہی دیکھ سکتا ہے۔ فتح تو حاصل نہیں کر سکتا۔ فطرتاً کوئی بھی شخص ہارنا نہیں چاہتا۔ ہر کوئی فتح چاہتا ہے۔ کامیابی چاہتا ہے۔ ترقی چاہتا ہے، اور جو چاہتا ہے کہ دھرم کا کام چلتا رہے اس کا فرض ہے کہ وہ نیتی بھی استعمال کرے۔ لڑائی کے میدان میں نیتی کا استعمال نہ کرنے والا اس بہادر کی طرح ہے جو کمر سے تلوار باندھے پھرتا ہے مگر تلوار کا استعمال کرنا نہیں جانتا، اور اس پہلوان کی طرح ہے۔ جو کشتی لڑنے کے لئے میدان میں نکل تو آتا ہے مگر داؤ پیچ نہیں جانتا، اور آخر مات کھا جاتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ نیتی کا استعمال سچائی کو برقرار رکھنے۔ دھرم کو بچانے اور مظلوم کی مدد کرنے کے لئے ہو۔ مہابھارت کے یدھ میں جب ارجن نے اس بنا پر کرن پر وار کرنے سے انکار کر دیا کہ کرن نہتا ہے اور نہتے پر وار کرنا کشتری کا دھرم نہیں۔ تب بھگوان کرشن نے ویر ابھیمنیو کو اکیلے مارنے۔ دروپدی کو بھرے دربار میں ننگا کرنے کے واقعات کی یاد دلا کر کہا کہ ایسے وقت میں دھرم کو بیچ میں لانا بزدلی ہے۔

درون آچاریہ کو مارنا بہت کٹھن تھا۔ درون آچاریہ کو اپنا لڑکا "اشوتھاما" بہت عزیز تھا۔ چنانچہ میدانِ جنگ میں اشوتھاما نامی ہاتھی کو مار کر یہ بات پھیلا دی گئی کہ اشوتھاما مارا گیا۔ درون آچاریہ نے سمجھا کہ اُس کا لڑکا مارا گیا۔ وہ اپنے اوسان کھو چکا۔ اور آخر اُسے مار دیا گیا۔ یہاں بھی بھگوان کرشن نے نیتی کا سہارا لیا۔

مختصراً یہ کہ صرف شکتی کے بل بوتے پر نہ تو کرن مارا جا سکتا تھا، اور نہ درون آچاریہ۔ نہ تو جیدرتھ کو مارا جا سکتا تھا، اور نہ جراسندھ نامی بہادر کو۔ شکتی کے ساتھ ساتھ نیتی کا ہونا ضروری گردانا گیا ہے۔ کرن، دریودھن، جیدرتھ درون آچاریہ بہادر اور بلند ہمت تھے۔ ان کو مارنے اور اپنے پرائے کا بھید مٹانے کے لئے بھگوان کرشن نے نیتی سے کام لے کر ارجن کو کامیابی دلائی۔

ظاہر ہے کہ سچائی اور دھرم کو بچانے کے لئے شکتی کے ساتھ ہی نیتی ایک بہترین ہتھیار ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے، کہ آج ہم جب بھگوان کرشن کو سشردھانجلی بھینٹ کر رہے ہیں، اُن کے بتائے ہوئے مارگ، اُن کی نیتی کو ذہن میں رکھتے ہوئے سوچیں، اور دیکھیں کہ جس راہ پر ہم چل رہے ہیں، وہاں کتنی مشکلات ہیں۔ کیا کٹھنائیاں ہیں۔ کتنی اُلجھنیں ہیں، اور اُن کا حل کیا ہے۔ اگر ایسا سوچا جائے، تو کامیابی یقیناً ہمارے قدم چومے گی۔ — جے ہند!

نوٹ

یہ پرچہ ماہ اگست اور ستمبر ۱۹۶۰ء دو ماہ کا تصوّر کیا جائے۔ ماہ ستمبر کا کوئی علیحدہ پرچہ شائع نہ ہوگا۔ ناظرین نوٹ فرما دیں۔ (منیجر)

مُشکل کے وقت ایک ہے پرورد گار دوست!

(شری سوامی پری پورنا نند جی مہاراج)

کہنے کو یوں جہاں میں ہزاروں ہیں یار دوست
مشکل کے وقت ایک ہے پرورد گار دوست

مشکل کو اپنی جس نے مُشکل کُشا پہ چھوڑا!
خود بن کے حل مُشکل آیا وہ یار دوست

سیوک کسی نے جب ہی لاچار ہو پُکارا
فوراً ہی ننگے پاؤں پہنچا وہ یار دوست

جو بھر تھی سونڈ باقی گج نے ہری پُکارا
خود کاٹنے کو پھندہ دوڑا وہ یار دوست

پرہلاد گھر گیا جب در دستِ خوں پدر کے
بن کے محافظ آیا نرسنگھ یار دوست

ظالم نے جبکہ چاہا کرنا ننگن سبھا میں
خود چیر روپ بن کر آیا مُرار دوست

نادار و بیکسی کی حالت میں جونہی دیکھا
اشکوں سے دھوئے پاؤں خاطر قرار دوست

ہے وقت آزمائش بھولو پر بھو نہ ہرگز
بہتر یہی ہے پورن کر جاں نثار دوست

گیتا کی تعلیم — یوگ اور کرم

گیتا کے متعلق بڑے بڑے فلاسفروں نے اظہار رائے کیا ہے۔ یہ کیوں بنی، کب بنی، کس کے لئے بنی آج زیادہ نہیں تو بھی بیس صدیاں گزر جانے کے بعد کیا گیتا کا مہتو وہی ہے، جو اس وقت تھا، جب یہ پہلی بار لکھی گئی۔ گیتا کے متعلق صدیوں پرانا خیال یہ ہے، کہ جو چیز گیتا میں نہیں وہ کہیں بھی نہیں۔ عالموں کا خیال ہے کہ یہ صداقت ابھی تک بنی ہوئی ہے، اسے شاعرانہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے اور یہ ایک متفقہ رائے ہے کہ گیتا میں مکمل ضابطہ حیات موجود ہے۔ جو گیتا کو نہیں جانتا سمجھو کہ اس نے زندگی کو ہی نہیں سمجھا۔ معنی ظاہر ہیں۔ گیتا کا اپدیش کسی خاص سماج کے لئے یا کسی خاص ملک کے لئے نہیں۔ مبالغہ نہ ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کا اپدیش کسی خاص یُگ یا سمے کے لئے نہیں بلکہ گیتا کی تعلیم منش ماتر کے لئے ہے، سارے سنسار کے لئے ہے۔ ہر یگ اور ہر زمانے کے لئے ہے۔ اس کی تعلیم لازوال ہے۔ گردش دوراں کی تبدیلیوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ گیتا کی تعلیم اٹل سچائیوں کا مجموعہ ہے، اور یہ الیشوری گیان ہے۔ یہ انادی ہے، کال اور دیش کی بندشوں سے آزاد ہے۔ ہمارے موجودہ دور کے ایک مہان رشی آچاریہ ونوبا بھاوے کا خیال ہے کہ بھگوت گیتا سب انسانوں، سب ملکوں اور سب خیالوں کے منشوں کے لئے ہے، یعنی یہ سارے سنسار کیلئے ہے۔

مہابھارت کی کتھا بھگوت گیتا جس کا ایک حصہ ہے، ہم تک کیسے پہنچی۔ یہ بذات خود ایک دلچسپ کہانی ہے۔ کہتے ہیں کہ ویدوں کے رچیتا بھگوان دیاس کے دل میں خیال پیدا ہوا، کہ مہابھارت کے واقعہ کو منش ماتر کی بھلائی اور رہنمائی کے لئے قلمبند کرا دیا جائے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کی غرض سے رشی ویاس نے تپسیا کی۔ آخر برہما نے ساکشات درشن دیئے۔ ویاس نے پرارتھنا کی کہ بھگون! میرے ذہن میں ایک نہایت اعلےٰ خیال پیدا ہوا ہے مگر مجھے کوئی ایسا ویکتی نظر نہیں آیا۔ جس سے میں مہابھارت لکھا سکوں، جو اسے قلمبند کرنے کی اہلیت رکھتا ہو——

——برہما یہ کہہ کر نظروں سے غائب ہو گئے کہ اے رشی! گنپتی سے ارادھنا کرو۔ وہی تیرا یہ کام کر سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ویاس جی کو ایک بار پھر تپسیا کرنی پڑی۔ گنپتی نے ساکشات درشن دیئے۔ ویاس نے پرنام کیا اور اپنی بنتی ورنن کر دی۔ گنپتی نے منظور کر لی مگر ایک شرط کے ساتھ کہ گنپتی کی قلم رکنے نہ پائے۔ یعنی ویاس کا سلسلہ کلام ایک بار جاری ہونے کے بعد ختم ہونے سے پہلے کہیں نہ رکے۔ شرط ٹیڑھی تھی۔ ویاس جی نے منظور کر لی۔ مگر اپنی بھی ایک شرط لگا دی کہ گنپتی جی لکھنا شروع کریں تو لکھنے سے پہلے سمجھ بھی لیں کہ کیا لکھ رہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ گنپتی جی کو لکھتے لکھتے بار بار رکنا پڑا۔ اس لئے نہیں کہ ویاس جی کے سلسلہ کلام میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوئی، بلکہ اس لئے کہ خود گنپتی جی کو انہیں کیا کچھ لکھوایا جا رہا ہے سمجھنے میں دیر لگی۔ آج مہابھارت ہمارے سامنے ہے۔ گیتا کی تعلیم اس میں موجود ہے۔ انسان احسان مند ہے رشی ویاس کا۔ مگر ویاس جی کو گنپتی جی کی مدد حاصل نہ ہوتی، تو گیتا کی تعلیم سے انسان محروم رہ جاتا۔

اس چھوٹی سی کہانی میں غور طلب بات یہ ہے کہ مہابھارت کی کتھا کو سمجھنے میں گنپتی تک کو دقت پیش آئی۔ اسے سمجھنے میں گنپتی کا سمے ضرور لگا۔ آج یہ علمی خزانہ ہمارے پاس ہے۔ بڑے بڑے عالم خود تو اس سے مستفید ہوتے ہی ہیں، مگر یہ بھی چاہیئے کہ خواص ہی نہیں، بلکہ عوام بھی اس خزانہ سے فائدہ اٹھائیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان عالموں کی نظر جب بھی اس خزانے پر پڑتی ہے، اور اکثر پڑتی ہے، تو ان کا پہلا رد عمل یہی ہوتا ہے کہ علم کا یہ بے بہا خزانہ کسی فرد واحد کی یا خاص طبقہ کی یا کسی سماج یا کسی خاص علاقہ یا ملک کی ملکیت نہیں۔ یہ تو منش ماتر کے استعمال کیلئے ہے۔ البتہ یہ عالموں کا کام ہے، کہ یہ سادھارن منش کو بتائیں کہ اس خزانے کو کیسے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ منش کے جیون کا اُدیش گیتا کی تعلیم سے روشنی

حاصل کرسکتا ہے۔ گیتا روشنی کا ایک ایسا مینار ہے، جو بنی نوع انسان کی رہبری کرتا ہے۔

جنم اشٹمی کے دن بھارت باسیوں کا دھیان مہابھارت میں موجود فلسفۂ حیات کی جانب جاتا ہے۔ اس عظیم فلاسفر کی جانب جاتا ہے جسے بھگوان کرشن کہتے ہیں۔ اسی فلاسفر کی قدردانی کا یہ عالم ہے کہ اسے خود بھگوان کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ بھگوان کرشن کو پرماتما کا اوتار مانا جاتا ہے۔ بھگوان کرشن کے کتنے نام ہیں، ان کا شمار آسان نہیں۔ منش کے جیون میں اس کی پیدائش سے لیکر موت تک کتنے اُتار چڑھاؤ آتے ہیں، کتنے مرحلے اور کتنی منزلیں آتی ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بھگوان کرشن خود اُن میں سے گزرے۔ مگر اس ضابطۂ حیات کے مطابق جو بھگوان کرشن نے منش ماتر کے لئے مقرر کیا ہے۔

مہابھارت کے ڈرامے میں ایک مقام ایسا آتا ہے کہ بھگوان کرشن کو انسان کا فلسفۂ حیات بیان کرنا پڑتا ہے۔ مہابھارت کی کتھا پڑھتے یا سُنتے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا ڈرامہ محض اس لئے رچا گیا۔ کہ ایشوری گیان ــــ وہ گیان جس میں منش کے جیون کا سار موجود ہے۔ شری بھگوان کرشن کی زبانی منش ماتر تک پہنچایا جائے۔ ویدوں میں ایشوری گیان موجود ہے۔ مگر یہ سادھارن منش کی پہنچ سے باہر ہے۔ مہابھارت میں جیون سنگرام رچا گیا۔ ارجن جیسے یودھا اور گیانی کو ایک سرو سادھارن ویکتی کے روپ میں بھگوان کے سامنے پیش کیا گیا۔ ارجن گیان کا متلاشی بنا۔ بطور فلسفی کے نہیں، بلکہ آتما پرماتما اور پرکرتی کے بارے میں، منش جیون کے بارے میں ارجن نے وہی شکوک پیش کئے جو ایک سادھارن منش کر سکتا ہے۔ بھگوان کرشن نے اُتر میں جو دیا گیا۔ اس کا اگر ویدوں کی تعلیم سے مقابلہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ کرشن نے نہایت سہل طریق استعمال کیا۔ ارجن نے اگر نہایت معصومانہ انداز میں منش جیون کے بارے میں سوال کئے۔ تو کرشن مہاراج نے بھی سہل زبان استعمال کی۔ یہ علیحدہ چیز ہے کہ گنپتی کو بھی اسے سمجھنے میں وقت لگا۔ خود دیاس جی کو بھی شک تھا کہ گنپتی جی ان کی عبارت کو روانی سے سمجھ سکیں گے۔ بہرحال منش جیون کے بارے میں ایشوری گیان شری کرشن جی کے توسل سے انسان تک پہنچا دیا گیا ہے۔

ایسے عالم بھی موجود ہیں، اسے سہل ترین بھاشا میں پوری وضاحت کے ساتھ عام آدمی کے فائدے کے لئے پیش کر دیتے ہیں۔ اب یہ منش کا کام ہے کہ اس سے مستفید ہو۔ منش کے جیون کا تعلق اگر محض یوگ سے ہوتا تو شاید گیتا کی تعلیم کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ وید ہی اس کے لئے کافی تھے، کرشن مہاراج نے یوگ اور کرم کو برابر کی مہانتا دی ہے۔ بنا کرم کا یوگ اور بنا یوگ کا کرم دونوں ہی غیر مکمل رہتے ہیں۔

آج بھارت میں اگر کھوج کی جائے تو بے شمار تعداد یوگیوں کی مل جائے گی۔ ہر بھگوا کپڑے پہننے والا سادھو یوگی ہونے کا دعویدار ہے۔ یہ لوگ یوگی ہیں یا نہیں۔ یہ تو ظاہر ہی ہے، مگر یہ حقیقت اور بھی نمایاں ہے، کہ ان میں سے سب نہیں تو اکثریت کرم ہین یوگیوں کی ہے۔ یہ حالت تو بھارت کی ہے۔ بھارت سے باہر کرم کے دھنی تو بہت ملتے ہیں، مگر یہ لوگ یوگ سے محروم ہیں۔ نتیجہ یکساں ہے۔ کتنی ضرورت ہے کہ گیتا کی تعلیم پر عمل کیا جائے۔ اس کے بغیر مادہ پرستی میں نہ سکھ چین ہے، نہ نری یوگ بھگتی میں۔ یوگ اور کرم میں تال میل ہونا چاہئے۔ یہی گیتا کی تعلیم کا سار ہے۔

بھگوان کرشن کی تعلیم

ابھیاس اور ویراگ

از قلم "حکیم رہیل داس جی مضطر"

شریمد بھگوت گیتا میں جب ارجن نے بھگوان شری کرشن کے روبرو اپنا یہ سوال پیش کیا کہ مہاراج یہ من بہت ہی چنچل ہے ۔ اس من کو جو ارلبعٔہ عناصر کا خلاصہ یا جوہر ہے کو قابو میں لانا کارے دارد کا معاملہ ہے ۔ اس لئے از راہِ ذرّہ پروری اب عقدہ کشائی فرمایئے کہ اس من کو کس طرح قابو میں لایا جا سکتا ہے تو جواب میں بھگوان نے مختصر اور جامع طور پر یہ فرمایا کہ من کو قابو میں کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ان دو تدابیر سے من بہر صورت تابعداری اختیار کر کے تابع فرمان ہو جاتا ہے ۔ اور پھر کسی بھی قسم کی سرکشی نہیں کر سکتا ۔ اور وُہ تدابیر ہیں۔

ابھیاس اور ویراگ یعنے شغل اور ترک .... پہلا حصّہ ابھیاس ہے ۔

ابھیاس کا پہلا طریقہ

شُغل یا مشق سے یہ مراد ہے کہ انسان سے دست بکار او دل بایار ۔ کی تعلیم پر عمل کرے اور ہر حالت میں یعنی اٹھتے بیٹھتے ، چلتے پھرتے ، سوتے جاگتے ، کھاتے پیتے ، دل میں اُسی کی یاد قایم رہے ۔ مثلاً جو کچھ بھی احاطہ بینائی میں آسکتا ہے ۔ وُہ سے

بچشم عاشقاں غیر از خدا ہیچ   زمین و آتش و آب ہوا ہیچ

کے مدِّ نظر اس ذات احد کی مختلف صورتیں تصوّر کرے اور جو کچھ بھی قوتِ شنوائی سے سُن سکتا ہے ۔ خواہ وُہ کیف آور ہو یا کرخت ۔ خواہ وہ طیور کے خوش الحان نغمات ہیں ۔ یا توپ کی گرج ۔ دونوں صورتوں میں سے

ہر جگہ قدرت کا بجتا ساز ہے   ہر صدا میں یار کی آواز ہے

کی تعلیم کے زیر تحت صرف اسی ایک کی آواز یقین کرے اور جو کچھ بھی قوتِ ذائقہ سے خواہ وُہ خوش ذائقہ شیریں ہو یا ذائقہ تلخ ترش ہو یا پھیکا ۔ نمکین ہو یا چرپرا ۔ ان سب ذائقوں میں اسی ایک بے رس اور بارس کی لذّت کا احساس کرے اور جو چیز بھی خواہ وُہ گرم ہو یا سرد ، نرم ہو یا سخت ۔ راحت بخش ہو ۔ یا کلفت بخش جسم کے کسی بھی حصّہ سے لمس کرے یعنی سپرش کرے ۔ تو اس سے بھی ہر دو صورتوں میں یکساں لذّت آنند اور خوشی کا احساس کرے اور قوّت شامّہ یعنی سونگھنے کی طاقت سے جو کچھ بھی ہو ۔ خواہ وُہ خوشبو ہو یا بدبو ، مرغوب ہو یا نامرغوب اسی ایک بے رنگ و بُو کی خوشبو کا احساس کرے ۔ خلاصہ یہ کہ

حواس خمسہ سے جو کچھ بھی دیکھا جاتا ہے۔ سُنا جاتا ہے۔ سونگھا جاتا ہے۔ چکھا جاتا ہے۔ اور محسوس کیا جاتا ہے۔ سب میں سب جگہ اور ہر وقت منزل کی برتی یعنی توجہ کا مرکز وہی ایک رہے۔ یعنی ظاہری صورت میں تو تمام اعضائے افعال یعنی کرم اندریاں اپنے اپنے افعال میں مشغول رہیں۔ لیکن قوتِ خیال اپنے مرکزِ حقیقی کہ جس کی طاقت سے۔ تمام اعضاء طاقت حاصل کر کے اپنا اپنا کام سرانجام کر رہے ہیں میں جذب رہے۔ اور اسی کا نام ہے۔ ابھیاس یا شغل۔ یا مشق۔

ابھیاس کا دوسرا طریقہ

ابھیاس کا پہلا طریقہ جو مذکور درج ہو چکا ہے۔ بھگتی یوگ یا عشقِ الٰہی سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن ابھیاس کا دوسرا طریقہ، جس کا اب ہم ذکر کریں گے کا تعلق گیان یوگ یا معرفت سے ہے۔ ابھیاس کے دوسرے طریقہ میں، ہر چیز میں، ہر واقعہ میں، اور ہر جگہ بجائے اس کے اپنی ہی ذات کا تصوّر کیا جاتا ہے۔ اور ؎

اوم، اللہ، گاڈ، یزداں، واہگورو، پرماتما
مَیں ہی مَیں ہوں ہر جگہ، کوئی نہیں ہے دُوسرا

کے مصداق ابھیاسی اپنے آپ کو تو ایک سمندرِ بے پایاں تصوّر کرتا ہے۔ اور کائناتِ عالم کی ایک ایک چیز کو اپنی لاتعداد لہریں، ایسا شخص بقول تعلیم دھرم شاستر دیکھتا ہُوا بھی نہیں دیکھتا، سُنتا ہُوا بھی نہیں سُنتا، چلتا ہُوا بھی نہیں چلتا، سونگھتا ہُوا بھی نہیں سونگھتا۔ کھاتا ہُوا بھی نہیں کھاتا۔ مارتا ہُوا بھی نہیں مارتا۔ غرضیکہ اس مجموعہ اربعہ عناصر یعنی شریر سے جو بھی افعال سرزد ہوتے ہیں۔ وُہ ان کا فاعل ہوتا ہُوا بھی لاتعلّق رہتا ہے۔ کیونکہ اُس کی نظر میں کوئی دوسری چیز ہے ہی نہیں۔ وُہ یہ یقین رکھتا ہے۔ کہ وُہ خود ہی ناظر، نظر اور نظارہ ہے۔ وُہ خود ہی فاعل فعل اور مفعول ہے۔ وہ خود ہی قوتِ گویائی، قوتِ شنوائی، قوتِ لامسہ، قوتِ ذائقہ۔ اور قوتِ باصرہ ہے۔ وُہ خود ہی ظاہر باطن اور درمیان ہے۔ وُہ خود ہی عاشق اور معشوق ہے۔ وُہ خود ہی بھگت، بھگتی اور بھگوان ہے۔ وہ خود ہی قاتل، قتل اور مقتول ہے۔ غرضیکہ اس دائرہ تثلیث میں وُہ سوائے اپنی ذاتِ مطلق کے اور کچھ نہیں جانتا، ایسا انسان جب اس قسم کا ابھیاس کرتے کرتے دوئیت بھاؤ یا عالمِ تضاد سے پرواز کر کے علم الیقین اور حق الیقین کے مدارج سے گذر کر درجہ عین الیقین تک پہنچ جاتا ہے تو پھر یہ نعرۂ حق لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ ؎

اپنی خودی ہی پردہ تھی دلدار کے لئے
ورنہ کوئی نقاب نہیں یار کے لئے

مندرجہ بالا دو قسم کے ابھیاسوں کے متعلق یہ بات کہہ دینا نہایت ضروری ہے۔ کہ گو ہر دو ابھیاسوں کے طریقے جُداگانہ اور مختلف ہیں یعنی راستے تو ہیں۔ مگر منزلِ مقصود ایک ہی ہے۔ دونوں قسم کی مشق یا شغل کا مدعا حقیقی، کثرت سے وحدت میں جذب ہونا ہے۔ کیونکہ کثرت میں تکلیف، دکھ، درد، رنج و مصائب ہیں۔ اور وحدت میں آنند، خوشی اور آرام حقیقی پوشیدہ ہیں۔ کیونکہ تکلیف، دُکھ، اور درد تو جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی دوسری ہستی تکلیف پہنچانے والی موجود ہو۔ لیکن جب ایک ہی ہے۔ تو پھر کون تکلیف دے اور کس کو۔

دوسری بات اس ابھیاس کے متعلق یہ ہے۔ کہ ایسی دونہ رہت یا نظرِ معرفت کی حالت وارد ہونے کے لئے بہت عرصہ درکار رہتا ہے۔ کوئی بھی ابھیاسی یہ خیال نہ کرے۔ کہ مَیں تو اتنے سال سے یہ مشق یا شغل کر رہا ہُوں۔ مگر

تاہنوز تو مجھے گیان یا علم معرفت حاصل نہیں ہُوا۔ اور نہ ہی حقیقی خوشی۔۔۔۔۔ ایسے ابھیاس کے لئے حضرت سرمد صاحب فرماتے ہیں :-

عُمر باید یار آید بکنار
سرمد ایں دولت ہمہ را ندہد

یعنی یار کا وصال حاصل کرنے کے لئے بہت لمبی عُمر درکار ہے۔ اور وصال کی دولت (دو سے ایک ہو جانا) ہر شخص کے حصّہ میں نہیں آتی۔

پس ابھیاسیوں کو چاہیئے۔ کہ وُہ اپنی طبیعت کے مطابق جس بھی ابھیاس کو اچھا سمجھیں۔ اس پر عمل کریں۔ لیکن عمل کریں تحمّل اور بُردباری سے۔ کیوں کہ ابھیاس میں جلد بازی بجائے فائدہ کے نقصان دِہ ثابت ہوتی ہے۔

اس ابھیاس کے سلسلہ میں جب ارجن نے بھگوان سے یہ سوال کیا۔ کہ مہاراج آپ تو ابھیاس کا اُپدیش فرما رہے ہیں۔ لیکن اگر منزلِ مقصود تک رسائی سے پہلے ہی ابھیاسی کی موت ہو جائے تو ایسے ابھیاس کا کیا پھل ہے یا کیا نتیجہ ہوگا۔ تو جواب میں شری کرشن بھگوان نے مثال کے ذریعہ یہ فرمایا۔ کہ جس طرح کوئی آدمی کام کرتے کرتے سو جاتا ہے۔ اور اٹھ کر پھر اُسی ادھورے کام میں مشغول ہو کر اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح اگر ابھیاسی اپنے ابھیاس کے دَوران میں اس جسمِ خاکی چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ تو وُہ پھر دوسرے جنم میں کسی ایسی جگہ جنم لیتا ہے۔ کہ جہاں وُہ اپنے اس کام کو پورا کرنے کے وسیع لوازمات موجود پاتا ہے اور اسی طرح اپنے نامکمّل ابھیاس یا مشق کو باحُسن وخوبی سرانجام دے کر میرے پرم دھام یا آتم ساکشات کار کو حاصل کر کے اپنا مقصدِ زندگی پورا کرتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہر ابھیاسی بھگوان کرشن کے اس اُپدیش کو مدّنظر رکھتا ہُوا کامل دلجوئی، اشتیاق اور طلب صادق سے اس راستہ پر گامزن ہو کر منزلِ مقصود تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

حضور بخشو

از قلم شریمتی آنند جی کپور

گردھر گوپال جی
داتا دیال جی ...... میری سُدھ لی جیئے
اچھی بُدھ دی جیئے
من شُدھ کی جیئے
بگڑے اعمال جی ...... گردھر گوپال جی

گردھر گوپال جی
داتا دیال جی ...... دُنیا جنجال ہے
جاں کا وبال ہے
میری مجال ہے ...... آپ سمبھال جی
گردھر گوپال جی

گردھر گوپال جی
داتا دیال جی ...... جاگے ایسا سحر دل میں
مستی کی لہر دل میں
اُٹھیں آٹھوں پہر دل میں ...... تیرے خیال جی
گردھر گوپال جی

گردھر گوپال جی
داتا دیال جی ...... نانک کو دھیان دینو
دیانند کو گیان دینو
اپنی پہچان دینو ...... رام[1] کو کمال جی
گردھر گوپال جی

گردھر گوپال جی
داتا دیال جی ...... میرے تصور بخشو
بخشو ضرور بخشو
آنند حضور بخشو ...... اپنا جمال جی
گردھر گوپال جی۔ داتا دیال جی
داتا دیال جی۔ گردھر گوپال جی

[1] سوامی رام تیرتھ جی

اوم

شنکا سمادھان

از- ایڈیٹر

پرشن: - مَیں نے نہیں جانتا کہ پرماتما کی ہستی ہے یا نہیں۔ لیکن میں سچائی کی کھوج اور حقیقت کی تلاش میں یقین رکھتا ہُوں۔ اس حصُول کی بازیابی کے لئے مجھے بھگتی مارگ کی بجائے گیان مارگ ہی پسند ہے۔ مَیں "نیتی نیتی" کے طریقے سے اپنے آتما میں یکسوئی حاصل کرنے اور اپنے آپ یعنی آتما کو جاننے کا ابھیاس سائنٹفک سمجھتا ہُوں اس سے پرماتما کے لئے میرے دل میں شردھا اور عزّت کا جذبہ نہیں ہے۔ لیکن شری سوامی رام کرشن پرمہنس اور دیگر مہاتماؤں کا کہنا ہے کہ آتما کا ساکشات کار پرماتما کی کرپا اور انوگرہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ مگر مَیں پرماتما کی کرپا کیسے پراپت کر سکتا ہُوں جب کہ مَیں ایشور کی بھاونا میں وشواس نہ کر کے بدھی گراہیہ (ترک سمت) راستہ اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میرا یہ راستہ غلط ہے؟ یا کہ اسی راستہ پر چلتے ہُوئے بنا پرماتما کی خاص طور پر بھگتی کئے ہی مجھے اس کی کرپا حاصل ہو جائے گی؟ مَیں نہیں سمجھتا کہ کس کی عزّت کروں۔ جب کہ مجھے سوائے اپنی آتما کے اور کسی دوسرے کے سامنے نہیں جھکنا۔ کیونکہ مجھے آنند اور راحت کی خواہش نہیں۔ اگر سچائی کی کھوج میں یہ خود بخود حاصل ہو جائیں۔ تو الگ بات ہے۔ ورنہ مَیں تو حقیقت جاننے کے لئے ہی اس راہ پر گامزن ہونا چاہتا ہُوں۔

(ہرنبس لال)

اُتّر: - آپ کے پرشن کا تات پریہ چند الفاظ میں یہ ہے کہ جو گیان مارگ آپ نے سویکار کیا ہے۔ اس پر چلتے ہُوئے کیا آپ حقیقت یعنی سچائی کو جان سکیں گے یا کہ نہیں۔ جب کہ آپ کو نہ ہی آنند اور راحت حاصل کرنے کی خواہش ہے۔ اور نہ ہی آپ کو پرماتما کی ہستی میں یقین ہے۔ جس کی کرپا کے دوارہ آتما کا ساکشات کار ہونے کا مہاتماؤں نے ودھان کیا ہے؟

آپ کے اس پرشن سے ہی ظاہر ہے۔ کہ آپ کو پرماتما، سچائی، حقیقت، آنند، پرماتما کی کرپا وغیرہ الفاظ کے واستوک ارتھ کے بارہ میں بھرم ہے۔ اسی لئے آپ ان کو الگ الگ سمجھتے ہُوئے ایک چیز کو تو جاننے کی خواہش رکھتے ہیں۔ مگر دوسری طرف اُسی سے انکاری ہو رہے ہیں۔ گیان کی پری بھاشا میں جس ایشور سے آپ منکر ہیں۔ اُسی کو ست چت آنند سروپ کہا گیا ہے۔ جو سچائی ہے۔ حقیقت ہے۔ اور آنند یعنی راحت ہے۔ اسی کو آپ جاننا چاہتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف اس کو پانے کی خواہش بھی نہیں رکھتے گویا آپ کے ہی الفاظ میں دو متضاد باتیں ظاہر ہو رہی ہیں۔ اگر آپ واقعی گیان کے سچے جگیاسو ہیں۔ تو ان

شبدوں کے جال سے نکل کر اور نجی اہنکار سے اوپر اٹھ کر سچی لگن کے ساتھ حقیقت جاننے کے لئے اسی مارگ پر چلئے جسے آپ درست سمجھتے ہیں۔ یعنی گیان مارگ۔ لیکن یاد رہے کہ شردھاوان لبھتے گیانم" ایسا وید کا واکیہ ہے۔ یعنی گیان کی پراپتی کے لئے بھگتی (پریم اور شردھا) کا ہونا لازمی ہے۔ جو کہ بنا وشواس کے ناممکن ہے۔ یہ "وشواس" راستہ دکھانے والے گرو اور شاستروں پر ہونا چاہیئے۔ تب ہی کہیں منزلِ مقصود پر پہنچا سکتا ہے۔

گیتا میں دو پرکار کی اُپاسنا کا ذکر ہے۔

(۱) بھید اُپاسنا۔

(۲) ابھید اُپاسنا۔ بھید اُپاسنا یوگ کے انترگت ہے۔ اور ابھید اُپاسنا سانکھیہ کے انترگت ہے۔ بھید اُپاسنا کو بھگتی یوگ اور ابھید اُپاسنا کو گیان یوگ کے نام سے کہا گیا ہے۔ سچدانند نرگن، نراکار، برہم کا ابھید روپ سے یتھارتھ گیان ہی ابھید اُپاسنا ہے۔ نیز اس پرکار کا انوبھو کہ جو کچھ ہے۔ سو سب برہم ہی ہے۔ اس پر درڑھ ہو جانا اور کسی پرکار کی شنکا کا پیدا نہ ہونا۔ اور اپنے سروپ میں سماوشت۔ رہنا یہی گیان کی آخری سٹیج ہے۔ ایسے گیانی پرش جو آتما میں ہی رمن کرنے والے۔ آتما میں ہی ترپت اور آتما میں ہی سنتشٹ رہتے ہیں۔ اُن کے لئے کوئی کرتویہ نہیں ہے۔ لیکن اس گیان کو پراپت کرنے کے لئے چوتھے ادھیائے کے ۳۴ اور ۳۵ شلوک میں بھگوان آگیا دیتے ہیں۔ کہ:۔

"اس گیان کو تو تتو درشی گیانیوں کے پاس جا کر سمجھ۔ اُن کو بھلی بھانت ڈنڈوت پرنام کرنے سے ان کی سیوا کرنے سے اور کپٹ چھوڑ کر سرلتا پوروک پرشن کرنے سے وہ پرماتم تتو کو بھلی بھانت جاننے والے گیانی مہاتما تجھے تو گیان کا اپدیش کریں گے۔ جس کو جان کر پھر تو اس پرکار موہ کو پراپت نہیں ہوگا۔ تتھا ہے ارجن! جس گیان کے دوارہ تو سمپورن بھوتوں کو نشیش بھاو سے پہلے اپنے میں اور پیچھے مجھ سچدانند گھن پرماتما میں دیکھے گا۔"

اس لئے جن جگیاسو پرشوں کو گیان مارگ شریشٹھ نظر آتا ہے۔ اور جو اپنے آپ کو گیان کا ادھیکاری سمجھتے ہیں یا جن کی گیان یوگ میں شردھا اور رُچی ہے۔ اُن پرشوں کو گیانی مہاتماؤں کے پاس شردھا پوروک جا کر پہلے ودھی پوروک گیان یوگ مارگ سمجھنا چاہیئے۔ اور پھر اس کے انوسار سادھن کرنا چاہیئے۔ ورنہ من مانی کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ انیک پرکار کے شکوک پیدا ہو جائیں گے۔ جن کا علاج بعد میں مشکل ہوگا۔

(۲) آپ کا بھگتی مارگ کی بجائے گیان مارگ کو گرہن کرنا مبارک ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ جن شریشٹھ پرشوں نے گذشتہ جنم میں یا اس جنم میں کرم کانڈ اور اُپاسنا کانڈ کو شاستر ودھی انوسار سرانجام دے کر انتہ کرن کو بھلی پرکار شدھ کر لیا ہے۔ صرف اُن کے لئے ہی گیان مارگ پر چلنا آسان اور مفید ہے۔ ورنہ جن کا انتہ کرن ملین ہے۔ یعنی واسناؤں سے بھرا پڑا ہے۔ راگ دویش، کام، کرودھ وغیرہ موجود ہیں۔ شریر میں آہنگ بھاو بھوگوں میں ممتا، اور انوکولتا، پرتی کولتا موجود ہیں۔ اُن کے لئے گیان نشٹھا کا سادھن۔ (سچدانند گھن نرگن نراکار برہم کے سروپ کا انوبھو اور اس میں ابھین بھاو سے استھت رہنا تو دور رہا) اس کا سمجھ میں آنا بھی کٹھن ہے۔ اس لئے گیان نشٹھا کو پراپت ہونے سے پہلے ضروری ہے۔ کہ کرم یوگ (یعنی سندھیا، اُپاسنا، گایتری، دیو پوجن، یگیہ ہون، پرانایام اور تمام شاستر وہت کرم) اور بھگتی کے ذریعہ انتہ کرن کو شدھ کیا

جاوے۔ ورنہ یہ واچک گیان فائدہ کی بجائے نقصان دہ ثابت ہوگا۔

(۳) نفی اور اثبات ــ "نیتی نیتی" "یہ نہیں" "یہ نہیں" یہ جگیاسُو کی پہلی دھارنا ہے۔ لیکن اس کے بعد دوسری دھارنا اثبات کی ہے۔ "سروِ نگ کھلو اِدنگ برہم" (نشچے کرکے سب کچھ برہم ہی ہے) نفی کو چھوڑ کر اثبات میں قائم ہونا ہی انسانی زندگی کا مقصد اور اس کی شان ہے۔ اس فانی میں باقی کے اشارات موجود ہیں۔ اس ازلی و ابدی ذاتِ حق (ست چت آنند سروپ ایشور) کی شان قائم ہے جس نے اس فانی میں باقی کو دیکھ لیا۔ اس کی ہی زندگی مسرور اور بامعنی ہوگئی۔

برہم گیان کے جگیاسُو دو پرکار کے ہوتے ہیں۔ ایک تو جگیاسُو دوسرے جگت بھِرو (سنسار سے ڈرنے والے) پہلی قسم کے جگیاسُو تو وہ ہیں جن کو رسّی میں سانپ کا بھرم نہیں ہوا۔ لیکن اندھیرے (اگیان) کی وجہ سے معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ یہ کیا پڑا ہے۔ وہ کسی تتو ویتا پُرش سے پوچھتے ہیں۔ کہ یہ کیا ہے۔ ان کو صرف یہ کہہ دینے سے۔ کہ "یہ رسّی ہے" بھرم دور ہو جاتا ہے۔

یعنی اس درشیہ ماتر سنسار کے متعلق۔ ان کو اتنا ماتر "سروِ نگ کھلو اِدنگ برہم" کہنے سے ہی ان کو گیان ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسرے درجے کے جگیاسُوؤں کو جن کو رسّی میں سانپ کا بھرم ہوا۔ اور وہ اس سے ڈر کر بھاگے، اُن کو تتو ویتا مہاپرش پہلے "نیتی نیتی" یعنی نشیدھی پکش کا اُپدیش دیں گے۔ "یہ سرپ نہیں ہے" جس سے اس کا ڈر اور خوف دور ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر وہ پرشن کرتا ہے۔ کہ اگر یہ سرپ نہیں ہے؟ تو کیا ہے؟ اس کے اُتر میں اس کو یہ اُپدیش دیا جاتا ہے۔ کہ "یہ برہم ہے" اور گیان روپی روشنی (لیمپ) سے اس کو پرتیکش دکھا دیا جاتا ہے۔ کہ یہ واقعی رسّی ہے۔ اور رسّی (ادھشٹھان) میں ہی اس کو سانپ کا وہم ہوگیا تھا۔ رسی تو رسّی ہی ہے۔ وہ کبھی سانپ نہیں بنی اسی طرح ادھشٹھان آتما میں اگیانی پرشوں نے نام رُوپ جگت کی کلپنا کرلی ہے۔ گیان ہونے پر وہ جوں کا توں (برہم) ہی نظر آتا ہے۔

آپ بے شک "نیتی نیتی" کا ابھیاس کریں۔ اس نفی کے ابھیاس کے پریک ہونے پر جب آپ دوسری کلاس یعنی اثبات کا ابھیاس کریں گے۔ تو آپ ایشور کی ہستی کے خود بخود قایل ہو جائیں گے۔ بلکہ اس ابھیاس دوارہ جب آپ اپنی خودی اور اہنکار کا شردھا ابھاو کردیں گے۔ تو آپ کو سوائے پرماتما (برہم) کے دوسری کوئی وستو نظر ہی نہیں آئے گی۔

مطلب یہ ہے کہ آپ کو کھانڈ کے کھلونوں میں کھانڈ۔ مٹی کے مختلف برتنوں میں مٹی اور سونے کے مختلف زیوروں میں (ادھشٹھان) سونا ہی نظر آئے گا۔ اسی طرح اس نام رُوپ سنسار میں Variety مختلف پن کے باوجود آپ کو ایک ہی ذات برہم کا انوبھو ہوگا۔

لیکن مبتدی کو چاہیئے کہ وہ گیان مارگ پر گامزن ہونے سے پہلے ہی اپنے من میں نئے نئے شکوک پیدا نہ کرے بلکہ کسی تتو ویتا (گورو) کی شرن میں شردھا پوروک جاکر اس کی آگیا انوسار عمل کرے۔ کیونکہ صرف کتابی گیان سے ناستکتا اور بھرم پیدا ہو جانے کا امکان رہتا ہے۔

اب ہم سوامی پری پورنانند جی پوُرن کی ایک نظم جو کہ ہمارے ان خیالات کی ترجمانی کرتی ہے۔ نیچے درج کرکے اپنے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں ؎

پربھو کی یاد میں شاغل وہ ہی مسرور ہوتا ہے		نشے تو حید میں جس کا دل وہی مخمور ہوتا ہے

حیاتِ چند روزہ میں اگر طاقت زور و زر ہو تو
مرائے فانی میں رہ کر تو کیوں مغرور ہوتا ہے

جوانی میں عدم کے واسطے سامان کر غافل
مسافر شب کو اُٹھتے ہیں جو جانا دور ہوتا ہے

ستاتی ہے جسے خواہش کہاں فرحت ہے اس دل میں
سما جائیں سبھی جس میں وہ دل پُر نور ہوتا ہے

عمل کر نیک بے خواہش پربھو کو یاد کر ہر دم
حوادث آزمائش ہیں تو کیوں رنجور ہوتا ہے

پربھو کا جلوہ ہے سارا وہ خود بن کر یہ آیا ہے
جلا دی جس نے غیریت وہ کب مستور ہوتا ہے

ذکر ہو اسکا ہر دم میں فکر بھی ہو اُسی کا ہی
فضل اپنا وہ کرتے پہ تبھی مجبور ہوتا ہے

مٹا دی ہے خودی جس نے بہ فضلِ مرشد پورن
اُسی کا درد و غم سارا یہاں کافور ہوتا ہے

پریم دیوانی میراں

از قلم شری نوبت رائے جی شوخ

تو جگت میں آکے میراں پریم دیوانی ہوئی
جس نے تیرا پریم دیکھا اُس کو حیرانی ہوئی

تھا لڑکپن ہی سے تجھ کو شیام منموہن سے پریم
اک اُسی کی سانولی صورت تھی پہچانی ہوئی

گونجتے ہیں گیت تیرے نت نئے سنگیت میں
پریم امرت سے امر کیسی تری بانی ہوئی

تیرے اکتارے نے چھیڑی نت نرالی راگنی
بانسری کی دھن بھی تیری لے کی دیوانی ہوئی

وہ محبت کے نشے میں چُور تیری مستیاں
جبکہ رانا نے ستم کی تیغ تھی تانی ہوئی

مورتی تھا سانپ سالگ رام کی تیرے لئے
تو پیالا وِش کا پی کر اور مستانی ہوئی

بال بینکا کون کر سکتا تھا اے میراں ترا
ظالموں کو ہر قدم پہ ہی پشیمانی ہوئی

وہ دھاراتا تھا ترلوکی کا تیرے انگ سنگ
پریم کی شکتی سے تو جس کی دھارانی ہوئی

اپنے پریتم ہی میں لے ہو کر بنی پریتم کا روپ
روح رادھا کی سما کر تجھ میں لاثانی ہوئی

شیام جگت میں پرسدھ شری سوامی ویویکانند جی کے گورو شری سوامی رام کرشن پرمہنس جی کا برتانت

اپنی زبانی

مورتی پوجا سے بھگوتی کے ساکھشات درشن

درشیہ اور نظارے

دھیان کے سمے میں اپنے چاروں طرف روشنی کے شرارے اُٹھتے ہوئے دیکھتا تھا۔ کبھی مجھے نورانی سی کہر چاروں طرف محیط دکھائی دیتی تھی۔ کبھی تمام چیزیں روشنی میں غسل کرتی ہوئی پگھلی ہوئی چاندی کی مانند نظر آتی تھیں۔ یہ تمام نظارے کبھی میں بند اور کبھی کھلی آنکھوں سے دیکھا کرتا تھا۔ میں ان نظاروں کا مطلب نہ جانتا تھا۔ نہ ہی مجھے ان درشیوں کے بھلے یا بُرے ہونے کی خبر تھی۔ اس طرح سے میں بیزرت ہو کر ماتا سے کہتا۔ ”ماں! میں نہیں جانتا کہ مجھ پر کیا ہو رہا ہے۔ اور نہ ہی مجھے کوئی منتر اور سادھن آتا ہے۔ کہ تیرا درشن کر سکوں۔ جب تک تم آپ ہی رنج کر پا سے مجھے اپنا درشن نہ دو۔ میں خود بخود تمہیں نہیں جان سکتا۔ ماں! مجھے تم ہی بتلاؤ۔ کہ کس طرح تیرا درشن کر سکتا ہوں۔ تیرے بنا میرا کوئی سہائک نہیں ہے۔“ میں اسی طرح پرارتھنا کرتا ہوا زار زار آنسو بہایا کرتا تھا۔

اب ان کی ”پوجا ودھی“ بھی بدل گئی۔ شاستروں کے انوسار باقاعدہ پرستش کرنے کی بجائے اب وہ بے کس بچے کی مانند ماں کے آگے رویا کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ میں اس قدر مگن ہوتے تھے۔ کہ بیرونی دُنیا ایک سایہ سا ہو کر ان پر اپنا پہلا اثر کھو بیٹھی۔ وہ ہر دم اپنی ماتا کی مورتی کے دھیان میں رہتے تھے۔ خواب میں بھی اسی کے درشن ہوتے تھے۔ اور اب ان کی نظر میں ساری سرشٹی میں ایک ماتا ہی سچی سچی دکھائی دیتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ کبھی کبھی یہ بھی دیکھتے کہ ماتا ان کے ساتھ ساتھ چلتی پھرتی ہے۔ اور ان کو کبھی کبھی کہتی ہے۔ ”یہ مت کرو“ اس طرح کبھی اور ہدایات دیتی ہے جب وہ پوجا میں بیٹھتے۔ کبھی کبھی ماتا ساکشات سامنے موجود ہو کر بھوجن کھاتی تھی۔ ہردت نے بیان کیا۔ کہ ایک روز پوجا کرتے ہوئے ہاتھ میں ارگھیہ لے کر بھینٹ کرنے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ یک دم چلا اُٹھے۔ ٹھہرو! ٹھہرو! پہلے مجھے منتر دوارا اس بھوجن کو بھینٹ کر لینے دو۔ پھر تم کھا سکتی ہو۔“ یہ کہکر پوجا کی سماپتی سے پہلے ہی وہ بھوجن بھینٹ کر دیا۔

اب سے وہ نہ صرف مورتی کے اندر ہمیشہ ماتا کی موجودگی کو محسوس کرتے تھے۔ بلکہ مورتی کے پیچھے سچ مچ ماتا کی روحانی مورتی

کو جو دیوی مورتی سے چمکتی تھی۔ انوبھو کرتے تھے۔ انہوں نے خود بیان کیا۔

کہ ایک دن انہوں نے مورتی کے نتھنے میں انگلی ڈال کر دیکھا۔ کہ ماتا واقعی طور پر سانس لے رہی تھی۔ وہ اکثر دفعہ ماتا کی روحانی تصویر کو مندر کے احاطہ میں اپنے ساتھ چلتی پھرتی دیکھا کرتے تھے۔ مگر اس کا کوئی سایہ نہیں تھا، کئی روز تک ماتا ان کو مندر کے اوپر کے چبوترے پر چڑھتی اور اپنی پازیبوں سے چھن چھن کرتی ہوئی سنائی دیتی تھی۔ وہ اس آواز کی تصدیق کے لئے مندر سے باہر نکل کر ماتا کو چبوترے کے اوپر کبھی کلکتہ کی طرف منہ کئے کھڑی ہوئی دیکھا کرتے تھے۔

ان دنوں کی پوجا ودھی کا حال ہردے یوں بیان کرتا ہے۔

کبھی کبھی وہ پھولوں کو ہاتھ میں لے کر پہلے اپنے سارے انگوں یہاں تک کہ پاؤں کو بھی لگاتے اور پھر ماتا کی بھینٹ کرتے تھے۔ کبھی وہ نشے میں چور دکھائی دیتے تھے۔ ان کی چھاتی اور آنکھیں جوشِ خون سے لال انگارہ ہوتی تھیں۔ اس حالت میں وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر نشے میں سرشار آدمی کی طرح لڑکھڑاتی چال سے ماتا کی طرف جاتے اور ماتا کو گلے سے پکڑ کر بچے کی مانند اس کی گالوں کو چومتے۔ کبھی اس کے منہ کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر ناچتے۔ اور طرح طرح کی باتیں کرتے۔ اور کبھی کبھی ہنسی ٹھٹھول بھی کرنے لگ جاتے تھے۔

ماتا کے آگے بھوجن بھینٹ کرتے وقت چاول اور کڑھی کی تھالی لے کر ماتا کے ساتھ کھانے کے لئے اصرار کرنے لگتے اور اسی کے منہ میں زور سے ڈالتے ہوئے کہتے۔

"ماں کھاؤ! خوب سیر ہو کر کھاؤ" مگر دوسری آن میں خود ہی کہتے:۔

"کیا تم چاہتی ہو کہ میں ہی کھاؤں؟ میں ابھی کھاتا ہوں"

"لو میں نے تو کھا لیا ہے۔ اب تمہاری باری ہے۔ جتنا باقی ہے۔ سب کھا جاؤ"

وہ ایک روز پوجا کے سمے مندر میں ایک بلی کو داخل ہوتے دیکھ کر اس سے کہنے لگے۔ "ماں! کیا کچھ تھوڑا سا کھاؤ گے؟"

اس کے بعد بھوجن میں سے جو ماتا کے آگے بھینٹ کرنا تھا۔ کچھ حصہ اس بلی کو دے دیا"

کبھی کبھی رات کو ماتا کو چاندی کی کھٹیا پر لٹاتے وقت کہنے لگتے۔ "کیا تم چاہتی ہو۔ کہ میں بھی تمہارے پاس ہی سو رہوں۔ اچھا میں تمہارے پاس ہی سو رہونگا۔" اس کے بعد آپ بھی کھٹیا کے ایک طرف لیٹ جاتے:

جب وہ دھیان میں بیٹھتے تو اس قدر بے خود اور مست ہو جاتے۔ کہ ان کا جسم لاش کی مانند اکڑ جاتا اور بیرونی سدھ بدھ کا کوئی نشان دکھائی نہ دیتا"

براتہ کال ہی میرے چچا جی باہر جا کر ماتا جی کے ہار کے لئے خود ہی پھول چنا کرتے۔ میں نے ان کو پھول چنتے وقت بارہا کبھی بولتے، کبھی ہنستے اور کبھی کسی نظر نہ آنے والی ہستی کے ساتھ ہنسی ٹھٹھے کی باتیں کرتے ہوئے پایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہستی سدا ہی ان کے ساتھ رہتی تھی"

"میں نے کبھی انہیں رات کو سوتے نہیں دیکھا تھا۔ میں جس وقت بھی جاگتا۔ ان کو بیدار پاتا تھا۔ یا تو وہ کسی غیر مرئی شخصیت کے ساتھ باتیں کرنے میں مشغول ہوتے تھے یا پریم بھرے گیت، گاتے تھے۔ یا پنچ وٹی کے برکشوں تلے دھیان لگا بیٹھتے تھے":

ان عجیب و غریب حالات کو دیکھ دیکھ کر ہردے کا خوف بڑھتا جاتا تھا۔ مگر وہ ان باتوں کو کسی پر ظاہر نہ کرتے

تھے۔ کہ رانی راسمنی اور ماتھر بابو کو ان کی خبر ہونے پر شاید چچا جی کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔

مگر یہ حالات کب چھپ سکتے تھے۔ مندر کے نوکر روز دیکھا کرتے تھے۔ جلد ہی مندر کے کلرکوں پر یہ بات کھل گئی۔ اور جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے گداَدھر جی کی پوجا کا طریق دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا۔ کہ یا تو گداَدھر پاگل ہو گیا ہے۔ یا اُسے کوئی بھوت چمٹ گیا ہے۔ انہوں نے اپنے دل میں اس بات کا فیصلہ کر لیا۔ کہ اب گداَدھر کو ماتا کی پوجا کرنے کی اجازت نہیں ملنی چاہیئے۔ ورنہ ماتا کی پوجا نہیں اُلٹی ہتک ہوتی رہے گی۔

یہ سوچ کر انہوں نے سارے حالات کی رپورٹ مالکان مندر کی خدمت میں بھیج دی۔ جس پر ماتھر بابو نے کہلا بھیجا۔ جب تک میں خود آکر سارا حال نہ دیکھ لوں، گداَدھر جی کو پوجا کرنے دو۔ اپنے آنے پر میں جو کچھ ضروری خیال کروں گا۔ عمل میں لاؤں گا۔

اس کے چند دن بعد کسی کو اطلاع دیئے بغیر ایک دن ماتھر بابو پوجا کے وقت مندر میں آئے اور چپ چاپ پوجا دیکھنے لگے۔ پرم ہنس جی اُس وقت پوری توجہ سے پوجا میں مصروف تھے۔ اُن کو ماتھر بابو کے آنے کا پتہ نہ لگا۔ جس وقت پرم ہنس جی پوجا میں ہوتے تھے۔ ان کا چت ایکاگر ہوتا اور سوائے ماتا کے اور کسی کا اُن کو دھیان نہ رہتا۔ ماتھر بابو نے آتے ہی یہ امر محسوس کیا۔ اُنہوں نے جب گداَدھر جی کے دل سے نکلی ہوئی پرارتھنا۔ اور بچوں جیسے پریم کو دیکھا۔ تو اُن کو یقین ہو گیا۔ کہ پوجا میں جو بات گداَدھر جی کے مُنہ سے نکلتی ہے۔ وُہ اُن کے دلی جذبات کا عکس ہے۔ اور اُن کے دل میں ماتا کے پریم کا سمندر موجزن ہے۔ گداَدھر جی کے کسی وقت پریم سے آنسو نکل آتے۔ کسی وقت پریم کے جوش میں مست ہو جاتے۔ کسی وقت اُن پر عالم محویت طاری ہو جاتا۔ اور وُہ پتھر کی طرح چپ چاپ اور بے حس و حرکت ہو جاتے۔

مگر اِن کُل حالتوں میں ان کے اندرونی پریم کے جذبات کا نور ان کے چہرے پر برستا تھا۔ اس حالت کو دیکھ کر ماتھر بابو کا چت بہت پرسن ہوا۔ اور وُہ اپنے اندر سورگ کا آنند محسوس کرنے لگے۔ اُنہوں نے سمجھ کر۔ کہ ایسے بھگت کی موجودگی سے ماتا جی مندر میں ساکشات ہو رہی ہیں۔ ماتھر بابو خوش ہوئے۔ کہ مندر کا بنانا اور ماتا کی مورتی کا اس میں ستھاپت کرنا اس کے پوتر پوجاری کے پریم سے شردھا اور روحانی طاقت سے ہو گیا۔ وُہ چپ چاپ اس جگہ سے چلے آئے۔ اور دوسرے دن انہوں نے مندر کے منتظم کے نام حکم بھیج دیا کہ آئندہ کوئی شخص پوجا میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرے۔ جس شکل میں اور جس طرح پر گداَدھر جی پوجا کرنا چاہیں۔ اُن کو کرنے دیں۔

جن اصحاب کو ہندو دھرم شاستر سے آگاہی ہے۔ اُنہوں نے سمجھ لیا ہوگا۔ کہ ان واقعات سے یہ عیاں ہے۔ کہ شری گداَدھر جی کی مانسک اوستھا میں ایک تبدیلی ہو چکی ہے۔ اور بجائے ودھی بھگتی کے اُن کے من میں پریما بھگتی براجمان تھی۔ جب تک اصل بھگتی پیدا نہیں ہوتی اور صرف بھگتی پیدا کرنے کے لئے سادھن کیا جاتا ہے۔ اس کے معنی ودھی یعنے قواعد ہیں۔ اور سادھک اور بھگت کے لئے یہ قواعد رکاوٹ ہوتے ہیں۔ اور پریما بھگتی کا بڑھتا ہوا سیلاب ان قواعد کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیتا ہے۔ شری گداَدھر جی کے دل میں بتدریج۔ مگر زبردست تیزی سے پریما بھگتی کا اظہار ہو رہا تھا۔ یہ تبدیلی قدرتی طریق پر ہوئی تھی۔ اور خود گداَدھر جی کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ وُہ اپنی اوستھا کو ٹھیک نہیں سمجھتے تھے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ان کے اتھاہ

پریم اور بھگتی نے ان کے لئے اور کوئی راستہ نہ چھوڑا تھا۔ ان کے لئے اس راستہ پر چلنا ضروری تھا۔ اسی وجہ سے شری گداؔدھر جی کو بھی شک ہوتا کہ آیا وہ ٹھیک راستہ پر چل رہے ہیں۔ اور جو کچھ انہوں نے باقاعدہ طریق پر کیا ہے۔ وہ درست ہے۔ وہ اس وقت ہاتھ جوڑ کر اپنے دل کو ماتا کے سامنے رکھ دیتے اور صدق دل سے پرارتھنا کرتے۔ "ماتا! میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نہیں سمجھتا۔ کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ کرپا کر کے مجھ کو سکھلاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے"

یہ دل سے نکلی ہوئی آواز (دعا) ماتا منظور کرتی اور جس طرح ایک دنیاوی ماں اپنے بچے کی انگلی پکڑ کر راستہ پر چلاتی۔ اور اسے ہر طرح کی مصیبت و تکلیف سے بچاتی ہے۔ اسی طرح جگت ماتا شری گداؔدھر جی کی مددگار رہی۔ جب کبھی ان کو کسی خاص امر کے جاننے یا کسی خاص سچائی کے سمجھنے کے لئے ہدایت کی ضرورت ہوتی۔ ماتا اس امر کا جاننے والا اور اس سچائی کے سمجھنے والا گداؔدھر جی کے پاس بھیج دیتی۔ جو گداؔدھر جی کو اس کا راز بتلا اور سمجھا دیتا۔ کئی ایسے واقعات ہوئے جن میں گورو نے خود دکنیشور جا کر ماتا کے اس سچے اور پیارے پتر کو ضروری تعلیم دی۔

ہری درشن کی پیاس

گورو گرنتھ صاحب کی امرت بانی سے

نوٹ:۔ مندرجہ ذیل بھجن مہاتما ہری سنگھ جی کے ہفتہ وار ست سنگ ۱۱/۱۶ اے ایسٹ پٹیل نگر نئی دہلی میں سُر تال کے ساتھ نہایت پریم شردھا سے پڑھا جاتا ہے۔ جس سے ست سنگی سجن گدگد ہو جاتے ہیں

میرے من پریم لگو ہری تیر

ہری درسن کو میرا من بہو تپتے ۔۔۔ جیوں ترکھا ونت بن نیر

ہمری بیدن ہری پربھ جانے ۔۔۔ میرے من انتر کی پیر

میرے ہری پریتم کی کوئی بات سناوے ۔۔۔ سو بھائی سو میرا ویر

مل مل سکھی گن کہو میرے پربھ کے ۔۔۔ لے ست گور کی مت دھیر

جن نانک کی ہری آس پجاوو ۔۔۔ ہری درسن شانت سریر

ارتھ:۔ (۱) میرے من میں ہری پریم (عشق الٰہی) کا تیر کھب گیا ہے۔ (۲) میرا من ہری درشن (دیدار الٰہی) کے واسطے ایسا ویاکل (مضطرب) ہو رہا ہے جیسے پیاسا آدمی پانی کے بغیر بے قرار ہوتا ہے۔ (۳) میرے درد فراق اور دل کی اندرونی پیڑ کو صرف پرماتما ہی جانتے ہیں۔ (اور کوئی نہیں جان سکتا) (۴) جو کوئی میرے پریتم (محبوب) ہری کی بات سنائے وہی میرا نہایت پیارا بھائی ہے۔ (۵) اے سکھیو (راہ طریقت کے ساتھیو) سچے رہبر سے اپدیش لیتے ہوئے باہم مل کر میرے پربھو کے گنوں کا ذکر کرو۔ (۶) اے ہری (سب بالوں کو دور کرنے والے پربھو) اپنے بندے نانک کی آس پوری کرو۔ تیرے درشن سے شریر کے روم روم میں شانتی لبھ جاتی ہے۔

آنند

مسلسل مسلسل

(پُرسُرور زندگی)

از- مہاتما بھاگ مل جی ساہنی

عام خیال ہے کہ خوش رہنا اور خوش بننا محض چند خوش نصیب آدمیوں کے حصّہ میں آتا ہے۔ یہ بالکل لغو ہے۔ خوشی ہر زندگی کے ساتھ خواہ اس کی نوعیّت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ساتھ رہتی ہے۔ ناخوشی محض اس وجہ سے ہے کہ ہم اپنی نسبت و اپنی حیثیت کو نہیں سمجھتے۔ اور نہ ہم کو یہ معلوم ہے کہ خوشی کے سرچشمہ کے ساتھ کس درجہ تک تعلق اور قرابت پیدا کرتی ہے۔

انسانی زندگی کا مقصد اعلےٰ پھیلنا، محیطِ کل ہونا اور بڑھنا ہے، تنگ ہونا نہیں۔ پانی کو ایک جگہ ٹھہرنے دو وُہ گل سڑ جائے گا۔ اس کی دھارا کو بہنے دو وُہ اِرد گرد کی قدرتی طاقتوں، ہوا وغیرہ کے میل ملاپ سے تازہ بہ تازہ رہے گا۔ ہم اس سنسار میں نفرت کرنے نہیں آئے۔ ہم خالص پریم پیار اور محبت کے شیریں جذبات کو اُکسانے بڑھانے اور اُبھارنے آئے ہیں۔ جہاں کسی اچھّے خیال نے دل میں جگہ پالی وُہ اُبھرتا اور نکھرتا چلے گا۔ اور مشاقی کرتے ہُوئے عملی صُورت میں اپنا اظہار کرے گا اور انسان کچھ کا کچھ بن جائے گا۔ جو لوگ اسی تناہی اصُول اور قانون کی پیروی کرتے ہیں۔ وُہ سچّی خوشی اور شانتی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اور جو اس کے برخلاف عمل کرتے ہیں وہ حقارت، ذلّت اور نفرت کو اپنے دل میں جگہ دے دے کر خرابی اور بربادی کا باعث بنتے ہیں۔

دُنیا میں رہتے ہُوئے اور ہر کام کرتے وقت ہونٹوں پر مُسکراہٹ، چہرہ پُر نُور اور دل میں ہر ذی رُوح کے لئے پریم اور محبّت ہو۔ کیونکہ نفرت کو پریم اور خالص محبّت میں بدل دینا خاصۂ بشری ہے۔ لیکن ہو کیا رہا ہے۔ ہائے افسوس! جدھر نگاہ کام کرتی ہے۔ باہمی نفرت، باہمی کدُورت اور باہمی رشک و حسد کے بھیانک اور مایوس کُن مناظر پیشِ نگاہ ہیں۔ تمہارے رُوح کے اوپر خودی، خود غرضی، مایُوسی اور ناخوشی کے بھدّے ناپاک، اور متعفّن غلاف چڑھے ہُوئے ہیں۔ چہرہ پُر شکن، آنکھوں میں ڈورے، جھائیں پڑی ہیں۔ شکل کیا ہے گویا افریقہ کے صحرائے ہولناک کا میدان ہے۔ دن کے آٹھ پہر گالی گلوج میں گذرتے ہیں۔ دھوکہ فریب کا بازار گرم رہتا ہے۔ زر پرستی اتنی کہ اپنے بال بچّوں کے پریم کا موقع بھی نہیں ملتا۔ گھر میں غریب بیوی سے دائم بھُوت بیزار ماں باپ عاجز، بھائی بہن شاکی۔

میرے خوش پڑھنے والو! پریم اور محبّت کو کھو کر نفرت مول لینا کونسی دانائی ہے۔ یہ ایک سچے انسان

کا کام نہیں ہے یہ قدرتی قانون ہے کہ جس شئے کی مشاقی کی جائے گی۔ وُہ شئے بکثرت پیدا ہوگی۔ جو نفرت کرے گا، نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ جو محبّت اور پریم سے پیش آئے گا۔ اس کے ساتھ محبّت اور پریم کا سلوک کیا جائے گا۔ اس لئے پریم کو دل دو۔ پریم کی چمک سے چمکو۔ جَو کے دانے بونے سے جَو کی فصل تیار ہوگی۔ اب ذرا سوچو سمجھو۔ جس شئے کو چاہو پسند کرو۔ تم کو اختیار ہے۔

اس ذلیل اور پستی کی حالت سے اُونچے اُٹھو، چاہِ ذلالت سے نکل کر فلکِ شہرت کے ضوفشاں انجم بنو۔ زندگی کے اصلی مقصد کو سمجھ کر جیو، پھولو، پھلو، پھیلو اور پھیلاؤ تاکہ تنگی، تنگ دلی، تنگ خیالی اور نفرت کا پتہ نہ رہے اور لاعلمی اور گیان کے مکروہ اور تاریک، ابرِ غلیظ دم کے دم میں کافور ہو جائیں۔ اگر یہ راز اچھی طرح ذہن نشین ہو گیا اور اس کے عامل ہو گئے تو پھر کیا کہنا ہے۔ ایک ہاتھ سونے کا اور ایک ہاتھ چاندی کا بن جائے گا۔ کھوئی ہوئی دولت مل سکتی ہے۔ ضائع کی ہوئی جائیداد واپس مل سکتی ہے۔ قدرت انسان کی ہر ایک نادانی، غلطی اور خطا کی تلافی کے لئے دائم تیار بر تیار رہتی ہے۔

بقول ایک مہرشی انسان مادہ کے ظاہری طبقہ میں زندگی کا بہترین ظہور ہے بدیں وجہ وہ اشرف المخلوقات ہے اس کے دل و دماغ کی ساخت بہترین طریقہ میں ہُوئی ہے۔ اس لئے اس کے کام بھی سب کے سب افضل ہونے چاہئیں۔ اگر اس کے کام میں یہ صفت نہیں تو پھر وُہ انسان نہیں ہے۔ وُہ نرا حیوان ہے۔ کہاں تک دیکھا جاتا ہے انسان میں تمیز و ادراک ہے۔ وُہ قوّتِ ارادی سے بے بہرہ ہے۔ اس لئے وُہ اپنے قول و فعل، اپنے حرکت و سکون کے لئے جواب دہ ہے۔ وُہ چاہے تو نیکی اور پریم کے شیریں جذبات سے اپنے اِرد گرد خیر و برکت پھیلا سکتا ہے۔ چاہے تو بُرے افعال و اعمال سے اپنے اِرد گرد شر و فساد پھیلا سکتا ہے۔ چاہے تو اپنے آپ کو سب سے اُونچے طبقے میں پہنچا سکتا ہے۔ جو سب کی انتہا ہے۔ چاہے تو اپنے آپ کو نیچے گرا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمان صوفی انسان کو خلیفہ خدا کہتے ہیں۔ اسی خیال سے حضرت عیسےٰ انسان کو خدا کی شکل و صورت کا بنا ہُوا بتاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہندو مانس جونی کو سرب اُتم کہتے ہیں۔ موسائی تسلیم کرتے ہیں۔ "انسان خدا کا ہم شکل ہے" حیوان اور انسان میں اگر کچھ فرق ہے۔ تو یہ ہے۔ کہ حیوانوں کو جہاں قدرت نے رکھدیا وہ اس کے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ مگر انسان کی حالت دُوسری طرح کی ہے۔ وُہ اپنے طور و اطوار، کردار و گفتار، خوض و تدبیر سے اگیان اور جہالت کے پردے پھاڑ کر بدھ، کامل انسان اور سنت بن سکتا ہے۔ اسی خیال سے متاثر اور جاگا ہُوا شاعر مسرّت اور شادمانی سے گاتا ہے ؎

اشرف المخلوق ہیں ہم فضل الموجود ہیں — اس جہاں سے صرف ہم ہی باعثِ بہبود ہیں
اے فرشتو! تم ہو کیا؟ ہم سے نہیں بہتر ہو تم — دیکھ لو گے ہم تمہارے بھی یہاں مسجود ہیں
وہم میں پڑ کر گرے آدم ارم کے باغ میں — اُٹھ کے اب ثابت کریں گے منزلِ مقصود ہیں
کس کا سجدہ بندگی کس کی کریں گے آدمی — حق تو یہ ہے۔ خود ہی وُہ مخلوق کے معبود ہیں

(دیال)

ہم آنندمے پربھو کا مقصد اور اپنی حیثیت اور اصلیت کو بھول کر جو بھی کام کرتے ہیں۔ نیم دلی اور پست ہمتی سے کرتے ہیں۔ اور دائم یہ خیال دل میں کرید کرتا رہتا ہے کہ میں بدقسمت ہُوں اور ہمیشہ بدنصیب بنا رہے گا۔ لیکن دُنیا کا ہر کام یہ چاہتا ہے۔ کہ کوئی زندہ دل جیتا جاگتا پُرش ہاتھ لگائے، مُردوں کی بازار میں کوئی قیمت

نہیں لگتا۔ ایسے انسان جس کام کو ہاتھ لگاتے ہیں وہ بگڑ جاتا ہے۔ اگر وہ سونے کو ہاتھ لگاتے ہیں تو وہ مٹی بن جاتا ہے۔ اگر وہ نوکری کرتے ہیں تو بیمار پڑ جاتے ہیں۔ وہ دایٔم غریب اور پائمال رہتے ہیں۔ ناکامیابی ان کے گلے کا ہار بنی رہتی ہے۔ ایسے لوگ اپنی ہر ناکامی کا الزام یا تو آسمان کے سر دیتے ہیں۔ یا یہ کہتے سنائی دیتے ہیں۔ "بیدرد آسمان، و چرخ ستمگر، فلک کج رفتار، و آسمان کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتا۔ چرخ نیلی فام کو کسی کی راحت پسند نہیں، یا تقدیر پر رکھکر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور محض اتنا کہکر جو کچھ پراربدھ میں لکھا تھا ہو کر ہی رہتا تھا۔ اور اپنے نقائص جسمانی، دماغی، عقلی، اور اخلاقی دور کر کے ہمت، شجاعت اور دلیری سے ہر کام کرنے کی بجائے۔ اپنے آپ کو ہر نقص سے مبرا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ پے در پے ناکامیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ جس طرح بند پانی میں کیڑے مکوڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کمزور، بزدل اور کاہل انسان کے جسم میں مختلف امراض اور دل و دماغ میں مذموم، اور بیمار خیالات گھر کر لیتے ہیں۔ جو اسے اوپر اٹھنے ہی نہیں دیتے۔ بقول ایک فہیم ادرح بہت سے ایسے گرے ہوئے زندہ انسان اپنے بنئے کھودی ہوئی ذلت کی گود میں پڑے ہوئے چیخ و پکار کر رہے ہیں۔ اور سستی، کاہلی، بزدلی، کمزوری کے پتھر جو انہوں نے شروع شروع میں اپنے اوپر رکھ لئے ہیں۔ ہٹا نہیں سکتے۔ وہ اس بات سے بے خبر رہتے ہیں۔ کہ مسرت زدہ زندگی اور کامیابی قسمت پر تکیہ کرنے، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے، منادر و مساجد میں دعائیں مانگنے یا منتیں ماننے سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمت اور دلیری کو کام میں لانے سے حاصل ہوتی ہے۔

لبا اوقات دیکھنے میں آتا ہے کہ جب انسان روزانہ زندگی کی مشکلات اور خدشوں سے بری طرح شکست پر شکست کھاتا ہے۔ تو ایسی اندوہناک صورت سے بچنے کیلئے وہ خود کشی کرنے کے سوا اپنے نزدیک کوئی دوسرا راستہ نہیں پاتا۔ لیکن ابدی قانون "علت و معلول" اتنا کمزور نہیں ہے کہ انسان محض اپنی زندگی ختم کر کے اس کی زد سے بچ سکتا ہے۔

جس شخص کو اپنی اصلیت، اپنے خیال، اپنے دل، اپنے ارادہ، اپنے سنکلپ پر پورا پورا وشواس نہیں۔ وہ دایٔم کمزور، بیمار اور نردھن بنا رہتا ہے۔ اور دنیا اس کو اپنے پاؤں کا فٹ بال بنا دے گی۔ ایسے انسان جانوروں کی طرح کھونٹے سے بندھتے ہیں۔ اور کمزوری کا گھاس کھا کھا کر جگالی کیا کرتے ہیں، اور ذرا ذرا باتوں میں ڈر کے مارے پیشاب کر دیتے ہیں یہ کیا انسان ہیں؟ نہ ان میں عقل ہے نہ تمیز ہے۔ نہ سمجھ ہے نہ بوجھ ہے یہ جانور ہیں اور دنیا نے ان کی حیثیت سمجھکر ان کو کھونٹے سے باندھ رکھا ہے، اور سامنے چارہ ڈال دیا کرتی ہے۔

چونکہ ایسے کمزور دل اور ڈرپوک انسان ڈر کے مارے چوہے بل میں گھستے ہیں۔ ایک دن ان کو بلی کھا جائے گی کیونکہ چوہا بلی کی خوراک بنایا گیا ہے۔ اگر تم انسان بننا چاہتے ہو تو دلیر بنو۔ بہادر بنو۔ کمزوری کے خیالات کی غذا کھانی چھوڑ دو۔ دلیری کے ساتھ جیو، دلیری کے ساتھ کام کرو۔ دلیری کے ساتھ مرو۔ ڈرنا پاپ ہے۔ ہر دم اپنے آپ کو نمک حرام گناہ گار، ناکارہ، عیبی، بے یار و مددگار کہتے رہنا ایک نہایت مکروہ عادت ہے۔ وہ لمحے نہایت نامبارک، تاریک اور منحوس ہیں۔ جن میں تم اپنے آپ کو کمزور خیال کرتے ہو۔ اتنے وقت کے لئے تم مردہ بنے رہتے ہو۔ دنیا کا زبردست روحانی معلم مہاتما بدھ اڑھائی ہزار سال ہوئے۔ باآواز بلند اعلان کر گیا ہے ——— "تم جو چاہتے ہو وہی بن جاتے ہو" اور اسی اصول کا اعادہ پرم سنت کبیر کے کلام میں پاتے ہیں۔

"من کی جیسے اونچ تیسا ہی ہو جائے"

یہ قانون قدرت ہے۔ یہ سرشٹی کا اٹل نیم ہے ———

(جاری رہیگا)

چیر ہرن لیلا — کرشن ایڈیشن

از:- پروفیسر بخشی اختر امرتسری

موہن کی پیاری گوپیاں
جو پریم کی تھیں دیویاں
نازو ادا کی پتلیاں
صورت سے بھولی بھالیاں
اک دوسری سے تھیں حسیں۔ سیمیں بدن اور مہ جبیں
ہر اک کی اک ہمراز تھی۔ ہر اک سراپا ناز تھی
تھیں خوش ادا وہ گل بدن
غنچہ دہن رشکِ چمن

(۲)

اس تٹ پہ جانے کے لئے
جمنا نہانے کے لئے
ملہار گانے کے لئے
دل کو لبھانے کے لئے
اک دوسری کا ساتھ دے۔ ہاتھوں میں اس کے ہاتھ دے
جمنا کی جانب چل پڑیں۔ رنگیں ادا وہ مہ جبیں
سب رک گئیں آکر وہاں
مقصود تھا آنا جہاں

کپڑے اتارے، رکھ دیئے
زیور بھی سارے، رکھ دیئے
خوشیوں کے مارے، رکھ دیئے
جمنا کنارے، رکھ دیئے
مل کر نہانے سب لگیں۔ آب چمن میں نازنیں
پانی میں جا کر گوپیاں۔ کرنے لگیں اٹھکیلیاں
چھینٹیں اڑانے سب لگیں
آپس میں مل سب نازنیں

(۴)

اتنے میں گاتے آ گئے
بنسی بجاتے آ گئے
نغمے سناتے آ گئے
پھرتے پھراتے آ گئے
آ کر لئے کپڑے اٹھا۔ نخل کدم کا رخ کیا
اور چھپ گئے پھر آپ بھی۔ چڑھ کر کدم پر شام جی
مطلق پتہ ان کو نہ تھا
جو کچھ نہاتے ہو گیا

(۵)

فارغ ہوئیں اشنان سے
دیکھا اُنھوں نے دھیان سے
کہنے لگیں بھگوان سے
اُس ہر و شکتی مان سے

وستر اُٹھائے کیوں بھلا۔ بتلاؤ تو موہن ذرا
یہ دل لگی اچھی نہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہیں
غیرت نہیں آتی تمھیں
وستر نہیں دیتے ہمیں

(۶)

جب شام سُندر نے سُنا
تو مسکرا کر یوں کہا
کیسی کہی شرم و حیا
مجھ کو یہ آئے کیوں بھلا

ننگی نہاتی آپ ہیں۔ باتیں بناتی آپ ہیں
جل میں ورن کا واس ہے۔ کیا اس کا بھی کچھ پاس ہے
اُلٹا سُناتی ہو مجھے
دھمکی دکھاتی ہو مجھے

(۷)

موہن کی سُن کر گفتگو
سب گلبدن سب ماہرو
کرنے لگیں پھر آرزو
یوں کرشن جی کے رُوبرو

اب شام وستر دیجئے۔ ہے کرشن کرپا کیجئے
جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب کیجئے بھگون دیا
ہم جوڑتی ہیں ہاتھ اب
دیدو بھی وستر ناتھ اب

(۸)

وستر تمھیں مل جائیں گے
گھنشیام یوں کہنے لگے
ہاں ہاں مگر وعدہ مجھے
اس دم ہے لینا آپ سے

تم آج سے یہ نیم لو۔ ننگی نہانا چھوڑ دو
جب گوپیوں نے کہہ دیا۔ ہوگا وہی جیسا کہا
پھر اُن کو وستر دیدیئے
چت چور پیارے شام نے

اِن سائیڈ ورندا بن (انگریزی) اوم کے دیرینہ کہنہ مشق ادیب اور شاعر شری جگن ناتھ صاحب کمہ صفی بی اے بی ٹی ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر کا نتیجہ فکر ہے۔ کتاب کیا ہے کرشن پریم سے چھلکتا پیالہ ہے جس کے ایک ایک لفظ سے امرت برستا ہے۔ کتاب کی چھپائی عمدہ ہے۔ قیمت ۱/۸/- دفتر رسالہ اوم سے بھی مل سکتی ہے۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

آتم بل!

لالہ کانشی رام جی چاولہ - لدھیانہ

آج کی سائینس بھی اس بات کو تسلیم کر چکی ہے کہ جو چیز جتنی لطیف ہے، سوکشم ہے، اُتنی ہی زیادہ طاقتور ہے۔ روشنی اور گرمی لطیف چیزیں ہیں۔ اُن میں کتنی زیادہ طاقت دیکھی جاتی ہے۔ زندگی کا دوسرا نام ہی گرمی ہے۔ جہاں گرمی کا خاتمہ ہو جائے وہاں زندگی کا بھی انت ہو جاتا ہے۔ آج ایٹم شکتی اور ہائیڈروجن شکتی کے خوف سے سارا جہان کانپ رہا ہے۔ کیوں؟ اسی لئے کہ بہت زیادہ لطیف ہونے کی وجہ سے اُن میں بے پناہ طاقت ہے۔ آتما سب سے لطیف اور سوکشم تتو ہے۔ اس کی لطافت بیان سے باہر کہی گئی ہے، بلکہ قیاس سے بھی پرے بتلائی گئی ہے۔ لیکن محض اس کا کچھ اندازہ بتانے کے لئے اُپنشد کاروں نے لکھا ہے کہ اگر ایک بال کی نوک کے ہزاروں ٹکڑے کئے جائیں (جو کہ ناممکن ہے) تو آتما اُس مفروضہ ٹکڑے سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ اتنا لطیف ہونے کی وجہ سے ہی آتما کا بل سب پر فائق ہے۔

آتم بل رکھنے والا انسان اپنی ایک نگاہ سے دُنیا کو تہ و بالا کر سکتا ہے۔ آج کل بھارتیوں کے اِخلاق اور کردار کی جو حالت ہے۔ اُس کی بنا پر تو یہ مُلک کسی حالت میں بھی نہ تو آزادی کا مستحق ہے، اور نہ اُسے قائم رکھ سکتا ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے آتم بل رکھنے والوں کی نیک نظر ہی اس کی مدد پر کھڑی ہے۔ وہ اُنے گنے آتم بل کے سوامی جو اس وقت بھی خوش قسمتی سے اس مُلک میں کہیں پوشیدہ، اور کہیں ظاہر ہیں، براجمان ہیں، اُن ہی کی آشیرواد اور شُبھ کامنا سے ہم آزادی کا لطف اُٹھا رہے ہیں۔

ہمارا پُرانا اِتہاس بتلاتا ہے کہ یہاں پر بچپن سے ہی آتم بل پیدا کرنے کے سادھن برتے جاتے تھے۔ جو سنسکار اور تاثرات اوائل عمر میں بچوں کے دل پر نقش ہو جاتے ہیں۔ وہی امٹ بنتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے طریقہ تعلیم میں جہاں موجودہ ضروریات کے مطابق تبدیلیاں کریں۔ وہاں اس بات کا بھی خاص خیال رکھیں کہ بچوں کے دلوں میں آتم بل کا سنچار کیا جائے۔ تبھی ہم سچے معنوں میں اپنے مُلک کی ترقی کر سکتے ہیں۔

بعض لوگ یہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ انگلستان۔ امریکہ اور دیگر یورپین ممالک نے جو اسقدر ترقی حاصل کی ہے۔ کیا اُنہوں نے کوئی آتم بل پاپت کیا تھا۔ ایسے معترض لوگ بڑی غلط فہمی میں رہتے ہیں۔ آتم بل سے پہلے دوسری قسم کے بل بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اور وہ بل بھی انسانی ترقی کے لئے مددگار بنتے ہیں۔ اُنہوں نے جو مادی ترقی حاصل کی ہے، وہ ان بلوں کے آدھار پر کی ہے۔ دوسری غلط فہمی بھارتیوں کو یہ ہے کہ آتم بل بھارتیوں کی ہی موروث ہے۔ اس حد تک تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ کسی وقت آتم بل بھارت واسیوں کی ہی موروث تھی۔ لیکن اب نہیں ہے۔ اب تو وہ مغربی لوگ "آتم بل" (ایٹم بل بھی جس کی ایک علامت ہے) حاصل کرنے میں پیش پیش ہیں۔ کسی زمانہ میں وہ اس بل سے بالکل عاری تھے۔ لیکن آج وہ اُسے کافی مقدار میں حاصل کر چکے ہیں۔ ہم لوگ کوئیں کے مینڈک بنے ہوئے اُن کی لکھی ہوئی کتابوں کو نہیں پڑھتے۔ ان ملکوں کے بعض مُصنّف اتنی اونچے درجہ کی پُستکیں لکھ رہے ہیں کہ جنہیں پڑھکر انسان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور زبان سے بے ساختہ عش عش کے الفاظ نکل جاتے ہیں۔ سمدھی بل کو جتنا اُنہوں نے بڑھایا ہے اور اُس کے آدھار پر سائینس کی جو نئی نئی ایجادات اُنہوں نے

رائج کی ہیں۔ اُنہیں محض دیکھ کر ہی ہماری بدّھی چکرا جاتی ہے۔ بے شک آزادی حاصل ہو جانے کے بعد ہماری سرکار دھن بل۔ بدّھی بل۔ اور ودّیا بل کو فروغ دینے کے لئے کوششیں کر رہی ہے لیکن سب سے ضروری بل یعنی آتم بل کی طرف بہت کم توجّہ دی گئی ہے۔ اب فی زمانہ جو سرکاریں بنائی جاتی ہیں۔ اُنہیں رعایا خود بناتی ہے۔ اور سرکاروں کو عوام کی ضروریات اور مانگ کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی سرکار رعایا کی کسی مانگ کو پورا کرنے سے قاصر ہے تو اُسے جھنجوڑا جا سکتا ہے۔ اور اُس مانگ کو پورا کرنے کے لئے مجبور کیا جا سکتا ہے

اندریں حالات یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی سرکار سے یہ مانگ کریں کہ طریقۂ تعلیم میں تبدیلی کرنے کے وقت آتم بل کی طرف خاص توجّہ دی جائے۔ لیکن یہ مانگ تبھی جائز ہو سکتی ہے۔ جب ہم خود بھی اس کے لئے اپنے اندر اس کے لئے سچّا احساس پیدا کریں۔ آتم بل کی پراپتی کے لئے پہلی شرط نش پاپتا ہے یعنی ہمارے کرم نیک ہوں۔ پاپ یکت انسان کی آتما بڑی نربل ہوتی ہے۔ دوکاندار یہ تہیّہ کرے کہ میں چور بازار اور منافع بازی۔ دھوکہ دہی اور چھل فریب سے دور رہوں گا۔ سرکاری ملازم عہد لیں کہ ہم رشوت۔ چٹّی۔ بے انصافی اور بد اخلاقی کو نزدیک نہ آنے دیں گے۔ کارخانہ دار یہ اقرار کرے کہ اپنے مزدور طبقے سے کوئی بے انصافی یا زیادتی نہیں کرے گا۔ مزدور طبقہ یہ قسم اُٹھائے کہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرے گا۔ سبھی لوگ یہ محسوس کریں کہ آتم شکتی سے بھی بڑی پرماتم شکتی ہمارے ارد گرد موجود ہے۔ وہ ہمارے ہر ایک چنتن اور خیال کی بھی ساکشی ہے۔ ہمارے ہر ایک پوشیدہ فعل کو بھی جانتی ہے۔ اور ہمارے اچھے یا بُرے وچاروں اور کرداروں کی جزا اور سزا دینے میں قادر ہے۔ تبھی ہماری آتم شکتی بڑھ سکتی ہے۔ اگر وچار اپوتر ہوں، اور کردار میلے ہوں تو آتما کبھی نہیں اُبھر سکتی۔ آتم بل کے لئے پہلی شرط پاپ رہت جیون ہے۔

آزادی ہونے کے بعد ہم نے بولنے اور فعل کرنے کی بھی آزادی لے لی ہے۔ جو آدمی جو چاہتا ہے، کہہ اُٹھتا ہے، اور جو جی میں آتا ہے کر گزرتا ہے۔ آزادی کے ہم نے غلط معنی لئے ہیں۔ ہم آزاد ہوئے ہیں، اپنے آپ کو اُٹھانے کے لئے، نہ کہ اپنے آپ کو گرانے کے لئے۔ گرے ہوئے تو ہم پہلے ہی کافی تھے۔ اور زیادہ گراوٹ تو ہماری تباہی کا باعث ہو سکتی ہے۔ ہمیں اپنا جیون نشپاپ بنانے کے واسطے کچھ عرصہ کے لئے ایکانت سیون ضرور کرنا چاہیئے۔ ایکانت میں انسان اپنے اندر کی پڑتال کر سکتا ہے۔ اپنی کمزوریوں کو دیکھ سکتا ہے، اور اُنہیں دُور کرنے کے سادھن وچار سکتا ہے۔ ایکانت میں اپنی نربلتاؤں پر نگاہ ڈال کر کسی ایک کمزوری کو دُور کرنے کا برت لینا چاہیئے۔ یعنی ایسی بُری عادت کو تیاگنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جو زیادہ ستا رہی ہے۔

جب تک آدمی کسی ایسی ایک تروٹی کو دُور نہ کر لے، جو بار بار یتن کرنے کے باوجود تیاگنے میں مشکل ہو، تب تک کسی دوسرے پاپ کو کچلنے کی کوشش نہ کرے۔ اسی کرم سے ایک ایک کر کے اپنی کمزوریوں کو دُور کرتا ہوا انسان سارے پاپوں سے مکت ہو جاوے گا، اور اُس کے اندر آتم بل کا چشمہ بہنے لگے گا، جس کے نتیجہ کے طور پر اُس کا جیون سچّے معنوں میں سکھی بن جائیگا اور کامیابی اس کے پاؤں چومے گی۔

قومیں انسانوں کا ہی مجموعہ ہوتی ہیں۔ جیسا قوم کے افراد کا چلن آچرن ہوتا ہے، ویسا ہی اُس قوم کا ہوتا ہے۔ اگر ہم فرداً فرداً آتم بل کے سوامی بن جائیں، تو قوم کی آتما بھی بلوان بن سکتی ہے، اگر قوم میں آتمک بل آ جائے، تو دوسرے سارے دیش اُس سے رہبری کی اُمید رکھیں گے۔

اس لئے، آؤ۔ ہم روزانہ اپنی پڑتال کریں، ایسا کرتے ہوئے اپنے جیون کو نش پاپ بنانے کا ابھیاس جاری رکھیں، اور ایسا ابھیاس نردگھن کرتے ہوئے آتمک بل کو حاصل کر کے، قوم اور دیش کو اُونچا اُٹھانے میں مددگار ثابت ہو سکیں۔ ویکتی گت (انفرادی طور پر) آتمک شکتی بڑھانا، مانو اپنے دیش کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ "ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں" کے مصداق ہم کہہ سکتے ہیں کہ آتم بل میں سب بل آ جاتے ہیں یعنی اسی ایک بل کو پراپت کر کے سب بلوں کے سوامی بن سکتے ہیں۔ بھگوان کرے کہ ہم سچّے دل سے اس طرف توجّہ دیں، اور اپنا جیون سارتھک بنائیں۔ اوم شم!

(گذشتہ سے پیوستہ)

گوبند لیلا ــــ پڑدہ تیسرا

از
برہم لین شری سوامی گوبند آنند جی مہاراج

پڑدے تیسرے دے وچ آن پہنچے ۔ نت ایشری دھیان لگان والے ۔ کئی مان سکار سروپ دھیان، نراکار نوں کئی دھیان والے
کئی کہن سرنگ سروپ اُسدا، رام نام کر کئی بُلان والے ۔ سدا آس رکھن درشن پاونے دی، ایشور آپ توں جدا بتلان والے
بُھل آپ کو لوں، منگن موکھ غیروں، بھلنے جال اوہ بھی اگیان والے ۔ بھید بھرم اندر جکنا چور ہوئے گئے راہ اوہ بھُل گیان والے
سبق ایکتا بیٹھ پکاونا سی، چلے راستے سبق بُھلان والے ۔ اُلٹا دویت والا سبق یاد کیتا، اک رب تھیں دو بنان والے
جیو ایش دے بھید نوں توڑنا سی۔ اُلٹا بھید ثبوت کران والے ۔ شُدھ ایک ادُتی سروپ آتم، تس نوں مایا کلنک لگان والے
مایا اور پرکرت سب چمک اُسدی، ایس چمک نوں جدا سمجھان والے ۔ کرن اتے سورج نہیں دوئے اکو، اُلٹا اک نوں دو دکھان والے
جنہاں سمجھیا سار ویدانت والا۔ ارتھ واک تت توم اسی پان والے ۔ اوہناں آتما نوں برہم صاف جاتا اینگ آتما برہم پچھان والے
جیو ایش دے ارتھ نوں جان کر کے لکھ ارتھ نوں بھی سمجھ جان والے ۔ پڑدے مایا اودیا دوہاں دے تھیں نکل جان جو ایسے گیان والے

پڑدہ چوتھا:-

پڑدے چوتھے دے وچ آن بیٹھے جنہاں آپنا آپ وچار ڈٹھا۔ بھید جیو تے ایش دا دور کر کے آتم برہم اپادھ دے پار ڈٹھا
رہن آپنے آپ وچ مست ہو کے، بنا آپنے نہ سر جنہار ڈٹھا۔ جانن آپ نوں سدا آنند مورت ہور دکھی تمام سنسار ڈٹھا
آکھن جنم فضول اگیانیاں دا، جنہاں ظاہرا نہ نردکار ڈٹھا۔ ایسی سمجھ اُتے افسوس آوے، شبد دویت والا کیوں پکار ڈٹھا
درشٹی بھری جب آئے ابھیمان والی پرگٹ ہونا تدوں ہنکار ڈٹھا۔ عملی نظر جا تیک ایہہ نہیں آوے، تدوں تیک نہ منگنا چار ڈٹھا
تنہاں بھانے تاں کوئی نہ بھُلیا ای جنہاں سرب اکو اونکار ڈٹھا۔ ایہہ بھی دویت والی نظر نظر آوے، کوئی موکھش کوئی گرفتار ڈٹھا
چھوٹے بڑے اندر اکو دیکھنا سی، کاہنوں گنی کوئی اوگنہار ڈٹھا۔ پورن گیان ایہہ نہیں کہاوندا اے جدوں غیر تے بے سمجھ دار ڈٹھا
سرب برہم والا جنہاں سبق پڑھ کے، ارتھ الیس دا پھر وچار ڈٹھا۔ گوبند تنہاں نوں رہیا نہ کوئی پردہ، جنہاں آتما سرب بسکار ڈٹھا

جیون مکت گیانی:-

پڑدے پار چارے جیہڑے پار ہوئے، پرمانند دے دھام سو آ بیٹھے۔ بھکھ پیاس جمن مرن غمی شادی۔ دھرم دھرمیاں سہت جلا بیٹھے
بھکھ۔ پیاس۔ جمن۔ مرن۔ غمی، شادی۔ دھرم دھرمیاں سہت جلا بیٹھے۔ گیان اور اگیان نوں جان کلپت، بندھ موکھ دا بھرم گوا بیٹھے
درشٹا۔ درش۔ درشن۔ تنوں جان اکو۔ اوچ نیچ دا بھید بھلا بیٹھے۔ دھیان دھارنا دا خیال دور کر کے دھیئے روپ خود آپ نوں پا بیٹھے
دیم واشنا تے منوناش والا سرب آتما جان اُڑا بیٹھے۔ ودھی اور نشیادھی دی حد ٹپے، پرلے پار اسدے جھنڈے لا بیٹھے
بھید بھرم دی گندھ نہ رہی رتی ڈنڈ لوک پرلوک چکا بیٹھے۔ نام روپ والے سنسکار گئے، اکو برہم والے گیت گا بیٹھے

اک دو دا رہیا نہ نام باقی گوبند آپ میں آپ سما بیٹھے

سادھارن اور کلی اپدیش:-

پرش آپنے آپ نوں بھُل والے تدوں لوڑ اپدیش نا دان ہووے۔ بھُل آپنی دور پر تدوں ہوندی جدوں آپنا پھیر گیان ہووے
گیان آپنے آپ دا ہوئے تدوں پورن موکھ اچھا جدوں آن ہووے۔ ہووے جگیاسا پورن تدوں اسنوں کرپا ایشری جدوں بلوان ہووے
ہووے تدوں کرپا بھگوان دی بھی جدوں پریم بھگتی ہیا دھیان ہووے۔ بھگتی ہوئے گی تدوں بھگوان والی تن من تے اَرپن نزبان ہووے
ست آچرن شریر کر ہوئے سدا مکھوں نام تے منوں دھیان ہووے۔ اج بل سامگری سرب سوکھی پرش ایس دا نہ قدردان ہووے
غفلت وچ آ کے بھُل آپ کو لدہ پیا دکھ تکلیف اُٹھان ہووے۔ گوبند دکھ دا اے نہ پھیر کوئی جدوں سکھ سروپ دا بھان ہووے

ایک مہاتما کا پرساد

بھگوَد کتھا کا مہتّو

(از شری جگن ناتھ صفی (برندابن نواسی)

بھگوَد کتھا سب کے لئے ہی آنند دائک ہے۔ راجا پریکچھت نے بھگوَد کتھا کے سمبندھ میں شُک دیو جی سے پُوچھا، تو انہوں نے اُنکے اس کا مہتّو (یعنی عظمت اور اہمیت واضح کی) بتایا۔ سنسار میں تین پرکار یعنی طرح کے جیو ہوتے ہیں۔ وِشئی، سادھک، اور سِدھ۔ وِشئی لوگ سنسار میں رہتے ہوئے وِشے آنند میں ہی رَت رہتے ہیں۔ وِویک، ویراگ کے بھاو ان میں اُتپن ہی نہیں ہونے پاتے۔ سادھک لوگ موکش کی اِچھّیا رکھتے ہیں۔ اور اس کے لئے سنسار کے سُکھوں میں لپت ہونے سے (یعنی دُنیادی عیش و آرام سے لطف اندوز ہونے سے) بچتے ہیں۔ اور سِدھ شرینی کے پُرش تو جیون مُکت مہاتما ہیں، جنہیں سوَرگ آدی کے سُکھ بھی تُچھ معلوم ہوتے ہیں۔

اِندری وِشے کے سنسرگ سے (یعنی ملاپ سے) جیووں کی اُتپتی ہوتی ہے، اِندری وِشے کے سنسرگ جنیہ (اندری وِشے کے میل سے پیدا ہونے والے) ہونے کے کارن پرلوک کے سُکھ بھی دُکھ کے کارن ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں ویراگ کب ہو سکتا ہے؟ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ سنسار کے سُکھ بھوگ لینے کے بعد ہو سکتا ہے، لیکن یہ سراسر اسمبھو ہے، وٹلوہی میں جب چاول پکائے جاتے ہیں تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی ایک چاول کچا رہ جاوے۔ اسی طرح سنسار میں ہمیں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملے گا، جو یہ جلدی سے ہی مان لے یا اس پرنشچے کر لے کہ اِندری اور وِشے سنیوگ جنیہ سُکھ (یعنی ان کے ملاپ سے جو سُکھ ملتا ہے) آخیر میں دُکھ کا ہی ہیتو ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بات سِدھ (ثابت) ہوتی ہے کہ ویراگ تو کیول اس کو ہوتا ہے۔ جس کو تتو کا بودھ ہو جاتا ہے۔ رامائن میں کہا ہے۔ ”کہئے تات وہی پرم ویراگی، جس نے تینوں گُنوں اور سِدھیوں کو ترن یعنی تنکا کے سمان تیاگ دیا ہو۔“

جیون مُکت مہاتما بھی سمادھی چھوڑ کر بھگوان کے چرتّروں کا دھیان کرتے ہیں۔ بھگوان شنکر مہادیو، اکھنڈ سمادھی لگانے والے بھی اس کے لئے بھٹکتے رہتے ہیں۔ اس لئے بھگوت چرتّر اور لیلائیں جیون مُکت کے لئے بھی آکرشک ہیں۔ بھگوان رام اجودھیا میں باس کرنے پر کئی لیلائیں کرتے ہیں، اجودھیا باسی اس کا دلکش الَوکِک (عجیب، انوکھا) (احساس) کرتے ہیں۔ سے شنو ہوتے ہوئے بھی امنگل رُوپ دھارن کر لیتے ہیں، ’اُودھوت گتی‘ پراپت کرتے ہیں۔ بھگوان شِو کس طرح جیوتشی کا رُوپ دھار کر ماتا کوشلیا کا ہاتھ دیکھتے ہیں اور اسی طرح بھگوان کرشن کے درشن کرنے کے لئے آپ جبو دھا کے گھر جاتے ہیں۔ ”جوگی درشن کو آیا“ وہی بھگوان شنکر گیان پردان کرنے والے ہیں، گیان میں ہی سُکھ ہوتا ہے۔ سارے سنسار کو گیان وِترن کرنے والے شنکر جی بھگوان کی لیلاؤں کا سُکھ لینے کے لئے لالائت رہتے ہیں سنساری پُرش تو استری پُرش وِشے سُکھ کو ہی سب سے بڑا سُکھ مانتے ہیں۔ یہ سُکھ بہت نچلی شرینی کا ہے۔ ’امنشیہ سُکھ ہے‘ یہ چھنک ہوتا ہے۔ (جس کی اپلبدھی بھی پرتنتر تا ہو، وہ سُکھ چھنک ہوتا ہے) بجلی کی طرح۔ اس سے زیادہ دیر تک رہنے والا سُکھ گندھرو اور دیوتا لوگ بھوگتے ہیں۔ لیکن اس کا بھی کچھ سمے کے بعد انت ہو جاتا ہے۔ یہ سُکھ بھی سدَیو (ہمیشہ) رہنے والا نہیں ہے۔ اس سے اُونچی شرینی کا سُکھ برہم سُکھ کہلاتا ہے۔ دو وِیکتی پریاگ گئے، اور اپنے ساتھ کھانے کی سامگری بھی لے گئے۔ اشنان کرنے کے بعد کلیوا کرنے لگے، اتنے میں دو اتتھی آ گئے کہنے لگے، کہ ہم تین دن کے بھوکے ہیں۔ ہمیں کچھ کھانے کو دو۔ ایک نے تو سب کچھ ایک اتتھی کو دے دیا، لیکن دوسرے نے اُسے پھٹکار دیا، اور جو اس کے پاس سامگری تھی، خود کھا گیا۔ اُسے کھاتے وقت تو بڑا سُکھ محسوس ہوا ہوگا۔ پرنتو جو خود بھوکا رہا۔ اور اس نے اپنا بھوجن اتتھی

کو دے دیا - اُس کے سُکھ کا کیا کہنا، وہ تو انِروچنیہ (بیان سے باہر) تھا - اِس لئے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ واستو سُکھ تیاگ میں ہے!" بھگود کتھا سُن کر یدی ہمیں پرماتم تتو کا بودھ بھی ہو دے تو کیا کہنا - یہ بھگوان کی منگل مئی کتھاؤں کی وشیشتا ہے کہ اُس کے شرون کر لینے سے اکھنڈ سُکھ کی پراپتی ہو جاتی ہے - اس لئے اِس کتھا روپی سُدھا کا پان کرتے ہی رہنا چاہئے -

واسنا روپی روگ

سنساری پُرش تو واسنا کے کیڑے ہوتے ہیں - وہ ان واسناؤں کے سہارے ہی جیتے ہیں اور یہ واسنائیں ہوتی ہیں، اپنے اپنے من بُدھی اور کرم جنیہ بھید سے بھِنّ بھِنّ - کسی کو دھن کی، کسی کو اِستری کی، کسی کو عہدے اور مان کی، کسی کو منسٹر بننے کی واسنا تنگ کر رہی ہے، تو کوئی چپراسی ہی بننے کے پیچھے پڑا ہوا ہے - کوئی ایک شاندار کوٹھی میں رہنا چاہتا ہے تو کوئی ایک معمولی سی جھونپڑی کے لئے ہی یتن کر رہا ہے - منشیہ ماتر اِن واسناؤں کے شکار ہوتے ہیں، اور ان سے چھٹکارا پانا اُن کے لئے کٹھن ہے - اور اِنہی واسناؤں کی پُورتی کے لئے پھر جنم لینا پڑتا ہے - ایک نہیں ہزاروں طرف یہ چکر چلتا رہتا ہے - دھن کی واسنا والے دھن کے کوش میں سانپ بن کر رہتے ہیں - یہ ایک بھیانک روگ ہے، جس سے نوِرتی پانا ہی منشیہ کا کرتویہ ہے اور کلیان کا سادھن ہے -

کہتے ہیں ایک مہاتما نے کہا کہ جب میں پرلوک سدھاروں گا اور اُچیہ گتی کو پراپت ہوں گا تو گھنٹے اور سنکھ بجیں گے اور تم سب لوگ جان جاؤ گے، کہ ہم کس طرح اُچیہ پد کو پراپت ہو گئے - جب وہ سمے آیا اور مہاتما جی کا دیہانت ہو گیا تو کوئی گھنٹے اور سنکھ بجنے کی آواز سُنائی نہ دی، اس کا خوب چرچا ہونے لگا - پھر یہ بات ایک اور مہاتما نے سُنی تو پُوچھا کہ وہ کہاں لیٹے تھے - اُنہیں بتایا گیا کہ ایک میز کے پاس؛ اُنہوں نے اُسے جا کر دیکھا تو اس میز کے کپڑے کے اندر ایک کیڑا اُنہیں نظر آیا - سمجھ گئے کہ مہاتما جی ہی یہ جنم لے کر وہاں پڑے ہیں -

ہم جانتے ہیں کہ بیماری بدپرہیزی یا کوپتھ سے بڑھا کرتی ہے - اِسی طرح سے یہ واسنا روپی روگ بھی وِشے وکار روپی کوپتھ سے بڑھتی ہی رہتی ہے - اگرچہ اس وقت وہ بدپرہیزی یا کوپتھ ہمیں بُرا نہیں لگتا، پرنتو اس کا پرینام (نتیجہ) تو بُرا ہی ہوتا ہے - ہمیں شِو اور رام کے نام میں اتنی مدھرتا معلوم نہیں ہوتی، جتنی 'رس گُلے' میں؛ عجیب روگ ہے کہ اچھی وستو بھی اچھی نہیں لگتی - وِشے روپی سانپ کے کاٹ لینے سے جب مصری بھی کڑوی لگنے لگے تو آیوروید میں کہا گیا ہے کہ مصری ہی کھاؤ - اس سے کڑواہٹ دُور ہو گی - اگر بھگوت نام سے آنند نہ آتا ہو تو بھی نام ہی لینا اور جپنا چاہئے - کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے اور کسی سمے کا انتظار کیا جائے کہ جب من ستھر ہو گا تو نام جپیں گے ایسا کبھی نہیں ہو گا - گیتا جی میں کہا ہے کہ جو من سے وِشیوں کا چنتن کرتا ہے، اور باہر سے اُن سے بچتا ہوا دکھائی دیتا ہے وہ مِتھیا چاری ہے اور دمبھی ہے - گیتا ادھیائے تیسرا - شلوک ۶ میں آیا ہے:-

کرمیندریانی سنیمیہ یہ آستے منسا سمرن
اِندریارتھان وِموُڑھ آتما مِتھیا چار سا اُچیتے

ارتھات:- "مِتھیا چار اور ڈھونگ کیا ہے، جو اچھیا پُورک وِشیوں کا چنتن کرتا ہے، چاہتا یہ ہے، کہ لوگ اُسے ایشور بھگت سمجھیں۔"

دو آدمی مالا لے کر بیٹھتے ہیں، ایک بھجن کرتا ہے، اور دُوسرا محض دکھاوے کے لئے - اُن میں سے دُوسرا آدمی دمبھی ہے یا ڈھونگی ہے --- اس وِشے روپی گندے پانی کو کیسے نکالا جائے؟

وِشیوں کا چنتن روپی پانی بہا جا رہا ہے، اس دھارا کو روکنے کے لئے اِندریوں کا نِرودھ اوشیک ہے - اس کے لئے بھگوت بھجن کرتے ہی رہنا چاہئے، من اشتھر اور چنچل ہی کیوں نہ ہو!!!

ادم شم

بھگوان کرشن سے خطاب

از جناب آغا شاعر قزلباش

اے بنسی والے پھر اس بنسی کے پھر بول سُنا دے متوالے
پھر برکھا رُت گھر آئی ہے پھر بادل ہیں کالے کالے
سرسبز ہیں کنجیں بھارت کی البریز ہیں دریا کے پیالے
پھر کاشی جی سے ابر اُٹھا پھر جل تھل ہیں ندی نالے
پھر گائیں بھینسیں دودھ بھری گھی مکھن بھوگ لگاتے ہیں
پھر چھم چھم مینہا برست ہے پھر سارس شور مچاتے ہیں

پھر خالی جھیلیں بوندوں سے، پھر ریت دھوئے دھلائے ہیں
پھر سبزہ لہکتا ہے ہر سُو، پھر کانٹے پھول سجائے ہیں
پھر اندر کی لیلا جوش پہ ہے ایکنتھ سمے دکھلائے ہیں
پھر جھولے پڑے ہیں پیڑوں میں پھر گوپیوں نے گن گائے ہیں
سرمست پپیہا پی پی سے، پھر کوئل کوک لگاتی ہے
آ سانوری صورت والے آ مشتاق تیری سب جاتی ہے

آ درشن دے بے طلب کہیں بیٹ جائے یہ چنتا پیر کہیں!
سنسار ہے بیاکل ڈھیر کہیں جگ پریم کی ہو تدبیر کہیں!
دکھلا دے وہ تصویر کہیں دل جس سے ہو تسخیر کہیں
ہے سوم نہ منگل پیر کہیں ہوں شاد جوان و پیر کہیں
آپس کے غباروں کو دھو دے کچھ ایسے سُندر بول سجا
سب ایک لڑی کے موتی ہوں انمول سجا انمول سجا

اے نرگسی آنکھوں والے تو کچھ ایسا منتر پھونک یہاں
شاعر کی طرح سے دیش بھگت سب قوموں میں ملکر ہوں قرباں
سب بھائی برادر بن جائیں سب لال ہوں اس کے ایک ہے ماں
سب کشٹ ہمارے کٹ جائیں بیکنٹھ بنے یہ ہندوستاں
سب دیش پجاری بھارت کے خود اپنے دلوں پر راج کریں
جو کام یہ کل پر چھوڑ چکے وہ آج کریں، وہ آج کریں!

دھنّا بھگت

دھنّا جی جاٹ تھے، وہ پڑھے لکھے نہ تھے، اور نہ ہی شاستر وغیرہ ہی اُنہوں نے سُنے تھے، تاہم ان کا سرل ہردیہ پریم سے بھرا ہوا تھا۔ دھنّا جی کے پِتا کھیتی کا کام کرتے تھے۔ پڑھے لکھے نہ ہونے پر بھی اُن کا سرل ہردیہ شردھا اور وشواس سے بھرا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی ہمت کے مطابق سنت، بھگتوں اور مہاتماؤں کی سیوا کرتے تھے۔ دھنّا جی کی عمر اُس وقت پانچ سال کی تھی۔ ایک دن ایک بھگوت بھگت برہمن اُن کے ہاں پدھارے۔ اُنہوں نے اپنے ہاتھ سے کنوئیں سے پانی نکال کر اشنان کیا۔ اس کے بعد سندھیا کی، پھر اپنی جھولی میں سے شری شالگ رام جی کی مورتی نکال کر اُسے اشنان کرایا۔ تُلسی چندن دھوپ وغیرہ سے اُس کی پوجا کر کے، بھوگ لگا کر بھوجن کیا۔ دھنّا جی اُن کی تمام حرکات وسکنات بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ سیدھا سادہ ہردیہ تھا۔ تھوڑی دیر تک اُن کے پاس بیٹھنے سے اُن کے دل میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ اگر میرے پاس بھی مورتی ہو تو میں بھی اُس کی پوجا کروں۔ بچے جو دیکھتے ہیں۔ ویسی کرنا چاہتے ہیں۔ دھنّا جی نے اُس براہمن کے پاس جا کر بڑی میٹھی زبان سے کہا۔ پنڈت جی! تمہارے پاس جیسی مورتی ہے۔ ویسی اگر ایک مورتی مجھے دیدو، تو میں بھی تمہاری ہی طرح پوجا کروں۔ برہمن نے پہلے تو کچھ دھیان نہیں دیا۔ مگر چھوٹے سے دھنّا جی نے جب رو رو کر اُنہیں بے چین کیا۔ تب ٹلا ٹالنے کے خیال سے ایک کالے رنگ کا پتھر اُٹھا کر انہیں دیدیا۔ اور کہا کہ "بیٹا! یہ تمہارے بھگوان ہیں۔ تم اُنہیں کا پوجن کیا کرو۔ دھنّا جی کے لئے گویا یہی گورو دیکشا تھی۔ اِسی تھوڑی سی دیر کے ست سنگ سے اور سرل بھگتی کے پرتاپ سے ننھے سے دھنّا جی پربھو کو انیبنت پرستن کرنے میں سمرتھ ہوئے۔

ننھے سے دھنّے کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ وہ اپنے بھگوان کو کبھی سر پر اُٹھاتے ہیں، کبھی سینے سے لگاتے ہیں۔ اب دھنّا جی بھگوت پوجن کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے۔ وہ تمام کھیل کود وغیرہ ترک کر کے 'برہم مہورت' میں اُٹھ کر اشنان کرنے لگے، اس کے بعد بھگوان کو اشنان کرا کر چندن کی جگہ تازہ مٹی لا کر اُس کا بھگوان کو تلک کرنے لگے۔ تلسی کی جگہ کسی درخت کے ہرے پتے بھگوان پر چڑھا دیتے۔ پریم سے پوجا کر کے بھگتی بھرے ہردیہ سے ساشٹانگ دنڈوت کرتے۔ ماتا جب کھانے کے لئے باجرہ کی روٹی دیتی۔ تب دھنّا جی اس روٹی کو بھگوان کے آگے رکھ کر آنکھیں بند کر لیتے اور بیچ بیچ میں آنکھیں کھول کر یہ دیکھ لیتے کہ ابھی بھگوان نے بھوگ لگانا شروع کیا ہے یا نہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کر لیتے۔ اس طرح بیٹھے ہوئے جب بہت دیر ہو جاتی، تب وہ دیکھتے کہ بھگوان نے ابھی تک روٹی نہیں کھائی تب اُن کو بہت دُکھ ہوتا، اور وہ بار بار ہاتھ جوڑ کر سرل ہردیہ سے پرارتھنا کرتے۔ اس پر جب وہ دیکھتے کہ بھگوان بھوگ نہیں لگاتے تو وہ خیال کرتے کہ بھگوان مجھ سے ناراض ہیں، اسی سے وہ میری پوجا اور بھوگ سویکار نہیں کرتے۔ مگر بھگوان بھوکے رہیں اور میں کھاؤں، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ روٹی جنگل میں پھینک آتے۔ اور خود بھوکے رہ جاتے۔ دوسرے دن پھر اسی طرح کرتے۔ اسی طرح سے جب لگاتار کئی دن بغیر آب و دانہ کے گذر گئے۔ تو دھنّا جی بے حد کمزور ہو گئے۔ چلنے پھرنے کی طاقت بھی نہ رہی۔ جسم کے کمزور ہونے کی اُنہیں اتنی پرواہ نہ تھی، جتنا اُنہیں اس بات کا دُکھ تھا، کہ ٹھاکر جی میری روٹی نہیں کھاتے۔ اس ذہنی کوفت کے سبب اُن کی آنکھوں سے ہر وقت آنسوؤں کی جھڑی لگی رہتی۔

اب تو بھگوان کا آسن بھی ہلا۔ معصوم بچے کی کٹھن پریکشا ہو گئی۔ بھگت کے دُکھ سے پگھل کر بھگوان پرگٹ ہوئے۔ سچدانند گھن جو یوگ سمادھی اور گیان نشٹھا سے بھی دُرلبھ ہیں۔ وہ پربرہم نارائن دھنّا کے پریم آکرشن سے اپوُرب من موہنی مورتی دھارن کر بھگت کے سامنے پرگٹ ہوئے اور اُس پریمی بھگت کی روٹی کا بڑے پریم سے بھوگ لگانے لگے۔ جب آدھی روٹی کھا چکے۔ تب مہا بھاگ دھنّا نے اُن کا ہاتھ تھام لیا، اور کہنے لگے، ٹھاکر جی! اتنے دنوں تک تو آئے نہیں، مجھے بھوکوں مارا۔ آج آئے، تب اکیلے ہی ساری روٹی کھانے لگے۔ تم سب کھا جاؤ گے تو کیا آج بھی میں بھوکا

ہی مروں گا۔ کیا مجھے تھوڑی سی روٹی بھی نہ دو گے؟ معصوم بھگت کی دلفریب گفتگو سن کر بھگوان مسکرائے، اور بچی ہوئی روٹی انہیں دیدی۔ آج دھنا جی کو وہ روٹی امرت کی مانند معلوم ہوئی۔ بھگت وتسل بھگوان ہر روز اسی طرح سے پرگٹ ہو کر اپنی جن من ہرن روپ مادھری سے دھنا جی کا من موہنے لگے۔ دھنا جی کی اب یہ حالت ہوئی۔ اگر وہ ایک لحظہ کیلئے بھی اس من موہن کو آنکھوں کے سامنے یا ہردیہ مندر میں نہ دیکھ پاتے تو اسی وقت مورچھت ہو کر پرتھوی پر گر پڑتے۔ ایک لمحہ کی فرقت بھی اُن کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی۔ اس لئے بھگوان کو سدا دھنا جی کے ساتھ یا اُن کے ہردیہ دھام میں رہنا پڑتا تھا۔ دھنا جی نے پریم ڈور سے بھگوان کو باندھ لیا۔ بھگوان کا تو یہ وعدہ ہے۔ "دیکھتا مجھ کو ہے ہر جا ہر شے میں مکیں۔ میں نہیں اس سے علیحدہ وہ الگ مجھ سے نہیں"

"جو سب میں مجھ کو دیکھتا ہے اور سب کو مجھ میں دیکھتا ہے۔ اس سے میں کبھی بھی اوجھل نہیں ہوتا۔" (گیتا ۶-۱۰)

دھنا جی کچھ بڑے ہو گئے۔ اُس سے اُن کی ماں نے گئو دوہنے کا کام اُن کے سپرد کر دیا۔ کئی گوئیں تھیں۔ دھنا جی دونوں وقت گوئیں دوہا کرتے۔ ایک دن بھگوان نے پرگٹ ہو کر فرمایا۔ "بھائی! تمہیں اکیلے گوئیں دوہنے میں بڑی تکلیف محسوس ہوتی ہوگی۔ تمہاری گوئیں میں دوہ دیا کروں گا۔" اب بھگوان اپنے بالک بھگت کے ساتھ رہ کر اُس کی سیوا کرنے لگے۔ دھنیہ! دھنا جی کے سُکھ کا کیا ٹھکانہ ہے! کچھ دن کے بعد دھنا جی کے وہی برہمن دھنا جی کے ہاں پھر آئے۔ اور اُن سے دریافت کرنے لگے۔ کہ کیوں بھگوان کی سیوا کرتے ہو یا کہ نہیں؟ دھنا جی نے ہنس کر کہا۔ "مہاراج! اچھا ٹھاکر دے گئے۔ کئی دنوں تک اُس نے مجھے درشن نہ دیا۔ نہ روٹی کھائی۔ خود بھی بھوکا رہا۔ اور مجھے بھی بھوکا مارا۔ آخیر میں ایک دن پرگٹ ہو کر ساری روٹی چٹ کرنے لگے۔ بڑی مشکل سے میں نے ہاتھ تھام کر روٹی اپنے لئے رکھوائی۔ مگر مہاراج! وہ ہے بڑا پریمی۔ ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے۔ دونوں وقت میری گوئیں دوہتا ہے۔ میں بھی اُسے چھوڑ نہیں سکتا۔ وہ بڑا ہی پیارا اور حسین ہے۔ میری روح تو اسی میں بستی ہے۔"

دھنا جی کی بات سن کر براہمن نے حیرت سے دریافت کیا ــــ "کہاں ہے، وہ تمہارا بھگوان؟!!"

دھنا جی نے کہا:۔ "کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔ یہ دیکھو میرے پاس ہی تو کھڑا ہے۔"

براہمن کو درشن نہیں ہوئے، اُس نے کہا۔ کہاں ہے دھنا! مجھے تو دکھائی نہیں دیتا!" دھنا جی بھگوان سے کہنے لگے۔ "ناتھ! یہی براہمن تو تمہاری مورتی مجھے دے گیا تھا۔ اسے درشن کیوں نہیں دیتے؟" بھگوان بولے، "دھنے! تم نے جنم جنمانتر کے مہان پنیہ اور شُدھ بھگتی سے میرے درشن پراپت کئے ہیں۔ اس براہمن میں اتنا تپوبل نہیں ہے۔ مگر اس نے تمہارا گورو بن کر بہت بڑا پنیہ سنچے کر لیا ہے۔ اسی پنیہ سے اسے میرے درشن ہو سکیں گے۔ تم اس کی گود میں جا بیٹھو، تمہارے پوِتر (پاکیزہ) شریر (جسم) کے سپرش (لمس) سے اسے دِویہ نیتر پراپت ہوں گے۔ جس سے یہ بھی مجھے دیکھ سکے گا۔"

دھنا جی نے ایسا ہی کیا۔ بھگت براہمن وتسل بھگوان کی انوپ چھٹا دیکھ کر کرت کرتیہ ہو گیا۔ بھگوان انتر دھیان ہو گئے!

دھنا جی کی بال لیلا سماپت ہوئی۔ اس لئے بھگوان نے بھی اُن سے اب بالکو جیت سمبندھ نہیں رکھا۔ بھگوان نے دھنا جی کو دستور کے مطابق گورو منتر گرہن کرنے کیلئے ارشاد فرمایا۔ دھنا جی شری کاشی جی گئے۔ اور انہوں نے بھگت سرشیٹ آچاریہ شری رامانند جی سے دیکھشا گرہن کی۔ ازاں بعد وہ اپنے گھر واپس آگئے! انہیں بھگوان کا تتو گیان حاصل ہو گیا۔ اب دھنا جی اپنے پریم گپت دھن کو اپنے ہردیہ میں دیکھنے لگے! ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دھنا جی کو اُن کے پتا نے کھیت میں گیہوں بونے کے لئے بیج دیکر بھیجا۔ راستے میں کچھ سادھو مل گئے۔ سادھو بھوکے تھے۔ انہوں نے دھنا جی سے بھکشا مانگی۔ دھنا جی کو تو سب کے اندر اپنے شیام سُندر دکھائی دیتے تھے۔ لہٰذا سادھوؤں میں اُن کو وہی دکھائی دیئے۔ اُن کیلئے دھنا جی کے پاس بھلا اور کیا تھا۔ انہوں نے تمام گیہوں سادھوؤں کو دے ڈالے۔ یہ یاد رکھئے! جہاں کسی غریب کو اَن کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں مانو ساکھشات بھگوان ہی اُن کے روپ میں ہم سے سیوا چاہتا ہے۔ ایسے موقع پر چوکنے والوں کو پیچھے پچھتانا پڑتا ہے۔ دھنا جی ایسے بھگت بھلا کیوں چوکنے لگے۔ دھنا جی نے گندم تو دیدی۔ مگر والد کے خوف سے گھر واپس نہ گئے۔ اور خالی زمین پر ہل چلا کر گھر آگئے۔ بھگت کلپ ترو بھگوان نے دھنا جی کے بغیر مانگے ہی اُنکی عزت افزائی کا خیال کر کے اپنی مایا سے اُنکے کھیت کو بہ نسبت دوسروں کے کھیتوں سے زیادہ لہلہاتا ہوا کر دیا۔ گھر گھر میں دھنا جی کی تعریف ہونے لگی۔ دھنا جی نے سُنا تو سوچا کہ میں نے تو کھیت میں بیج کا ایک دانہ تک نہ ڈالا تھا۔ یہ کھیتی ہری بھری کیسے ہو گئی۔ لیکن جب کھیت پر پہنچے تو وہ لہلہا رہا تھا۔ حیرت کی انتہا نہ رہی سمجھ گئے کہ یہ بھی اس پیارے کی لیلا ہے۔ پرنام کیا۔ آنکھوں میں پریم کے آنسو بھر آئے۔ دھنیہ ہو دینا ناتھ! دھنیہ ہے تمہاری لیلا! بولو بھگت اور انکے بھگوان کی جے!

مہاراجہ شیوی

بھگت راج مہاراجہ شیوی، دان ویر تھے، انہوں نے بے شمار یگیہ کئے، اور براہمنوں کو اتنا دان دیا۔ کہ سارے سنسار میں دھوم مچ گئی۔ دیوراج اندر نے سوچا کہ راجہ کی دان ویرتا کا امتحان کرنا چاہئیے۔ انہوں نے خود تو باز کا بھیس بدلا، اور اگنی دیو کو کبوتر بنایا۔ اب آگے آگے کبوتر تھا، اور اس کے پیچھے پیچھے باز۔ لیلا دھاری کبوتر نے باز سے ڈر کر مہاراجہ شیوی کی گود میں آکر پناہ لی۔ اتنے میں باز بھی وہاں آن پہنچا۔ اور آکر راجہ سے بولا۔ "راجن! یہ کبوتر میری خوراک ہے۔ اسے میرے حوالے کیجئے تاکہ میں اپنی بھوک مٹاؤں۔" راجہ بولے۔ "اے باز اس کبوتر نے میرے پاس آکر شرن لی ہے۔ لہٰذا شرن میں آئے ہوئے کو شرن نہ دینا دھرم کے ورُدّھ ہے۔ اس لئے میں یہ کبوتر ہرگز تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا۔" باز بولا۔ "راجن! کبوتر باز کی خوراک روز اوّل سے مقرر ہے اس کو کھانا میرا دھرم ہے۔ اور یہ بھی تو دھرم کے وِرودھ ہے کہ میری غذا مجھ کو نہ دی جائے۔" راجہ اور باز کے درمیان ایک لمبی بحث چھڑ گئی۔ کافی دیر تک بحث ہوتی رہی، مگر دیا اور دھرم کا اوتار مہاراجہ شیوی کبوتر کو دینے کیلئے تیار نہ ہوئے۔ فیصلہ یہ ہوا، کہ راجہ کبوتر کے وزن کے برابر اپنے جسم میں سے گوشت کاٹ کر باز کو دیدے تو کبوتر کی جان بچ سکتی ہے! راجہ نے بازی یہ شرط مان لی۔ اور ایک ترازو منگوائی۔ اس کے ایک پلڑے میں کبوتر رکھا گیا۔ اور دوسرے میں راجہ نے اپنے جسم کا گوشت کاٹ کاٹ کر رکھنا شروع کیا۔ لیکن وہاں تو قصہ ہی کچھ اور تھا۔ راجہ اپنے جسم کا گوشت کاٹ کاٹ کر پلڑے میں رکھتے جاتے۔ مگر پلڑا تھا کہ نیچا ہونے میں نہ آتا۔ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ راجہ اپنی گردن کاٹ کر پلڑے میں رکھنے لگے۔ یہ دیکھ کر دیوراج اندر اور اگنی دیو نے اپنے اصلی روپ دھارن کئے۔ اور راجہ کے ہاتھ سے چھری چھین کر پرے پھینک دی۔ تھوڑا سا جل چھڑکا۔ تو راجہ کا جسم پہلے جیسا ہو گیا۔ دیوراج اندر نے فرمایا۔ "راجن! میں تو محض آپکے امتحان کیلئے آیا تھا۔ آپ اس امتحان میں پورے اُترے ہیں۔ ور مانگئے!" مہاراجہ شیوی نے بھگتی دان مانگا۔ اور دیوراج اندر اور شری اگنی دیو نے بھگتی کا ور دان دے کر اپنے دھام کو پدھارے!

ایک زمانہ تھا کہ شرن میں آئے ہوئے کیلئے جسم کا گوشت تک بھی دے دیا جاتا تھا۔ اور آج یہ حال ہے کہ اگر کوئی بھکاری ایک پیسہ مانگے تو لوگ آپے سے باہر ہو جاتے۔ گھر میں چاہے لاکھوں ہوں لیکن دان دیتے وقت غش آتا ہے۔ دیا، دھرم، دان، یہ الفاظ اب کتابوں کے لئے رہ گئے ہیں۔ صرف کل جگ میں لوگوں نے ان کاموں کو بھلا دیا ہے۔ اور دکھی بھی بے حد ہیں۔ اور بھگتی اور دان کے معنی سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہیں۔ وہ آج بھی سکھی ہیں۔ ان کا لوک اور پرلوک دونو سنور گئے ہیں۔

بھجن

بھگوان بھگت کے بس میں ہوتے آئے

جب جب بھیڑ پڑی بھگتن پر
بھگت نے ایسا ڈالا پھندا
گرڑ چھوڑ کر دھائے
آپ بنے ہرنائی نندا
پریم سے چرن دبائے..... بھگوان

کیشر پکڑ کر کنس پچھاڑا
راج ببھیکشن پائے
سادھو بن کر راون مارا
..... بھگوان
سورگ دیئے بھو نچائے
بھاگیرتھ کو گنگا دینی
..... بھگوان

دروپدی جب دشٹوں نے گھیری
سبھا میں آ کے چیر بڑھائے
راکھی لاج کرتی نہ دیری
بھگوان بھگت کے بس میں ہوتے آئے
..... بھگوان بھگت کے بس.....

دریودھن کے میوا تیاگے
ساگ بدر گھر کھائے .. بھگوان
بھوک لگی جب اُٹھ کے بھاگے

ہرناکش بھی سورگ سدھارا
نرسنگھ روپ دھرائے بھگوان
بھگوان بھگت کے بس میں ہوتے آئے

شری کرشن جنم

از قلم کوی لوک ناتھ دِل

سنگ کے ٹکڑے کو اے دِل! دعوائے کہسار تھا
خاک کا ذرّہ پکارا، مہر ہوں میں پُر ضیا
قطرہ اپنے آپ کو سمجھا تھا ثانی بحر کا
کنس ظالم کی زباں پہ تھا کہ ہوں میں خود خدا
اس طرف تھا دیوکی کے لبوں پہ رنگِ فغاں
اُٹھ رہا تھا اُس طرف وسُودیو کے دِل سے دھواں

عالم محشر بپا تھا چار سُو بیداد سے
قتل چھ بچے ہوئے تھے خنجرِ جلاد سے
حلق پر چھالے پڑے تھے گرمیٔ فریاد سے
داغ جل اُٹھے تھے دِل کے فرقتِ اولاد سے
حالتِ وسُودیو گریاں گوشۂ زنداں میں تھی
دیوکی بیتاب و نالاں گوشۂ زنداں میں تھی

مسکرانا باغ برج کا ہو گیا وقفِ خزاں
چھا گئیں پھولوں کے جوبن پر غضب کی زردیاں
خرمنِ صبر و سکوں پر ٹوٹتی تھیں بجلیاں
اُڑ رہی تھیں ہر طرف انسانیت کی دھجیاں
چشمِ تر سے ہو رہی تھی اک نئی جمنا رواں
آ گئی تھیں ساری دُنیا کی یہیں تاریکیاں

آنکھ کے پردے فروغِ نور سے زردار ہوئے
پیاسے پی کے بادۂ حسنِ ازل سرشار ہوئے
سازِ امیدوں کے پھر قدرت سے نغمہ بار ہوئے
بارشِ رحمت سے سب میدان سبزہ دار ہوئے
رنگ لائی آہ۔ آنسو دُرِ تاباں ہو گئے
زخم سب سینے کے رشکِ گلِ خنداں ہو گئے

آنکھ کے پردے فروغِ نور سے ذر دار ہوئے
پیاسے پی کے بادۂ حسنِ ازل سرشار ہوئے
سازِ اُمیدوں کے پھر قدرت سے نغمہ بار ہوئے
بارشِ رحمت سے سب میدان سبزہ دار ہوئے
رنگ لائی آہ - آنسو دُرِ تاباں ہو گئے
زخم سب سینے کے رشکِ گُلِ خنداں ہو گئے

آج ماتھے کا ستارا ضوفشاں ہو کر رہا
آنسوؤں کا تار تارِ کہکشاں ہو کر رہا
آرزوؤں کا چمن رشکِ جناں ہو کر رہا
غنچۂ مُرجھایا ہوا خندہ دہاں ہو کر رہا
"بچہ گوکل لے چلو" آئی صدائے آسماں
"ساتھ لاؤ نند کی لڑکی جو ہے برق تپاں"

نعرۂ عصیاں سے حق کا بول بالا ہو گیا
کھُل گئی زنجیر ٹکڑے ٹکڑے تالا ہو گیا
گوشۂ تاریک میں یکدم اُجالا ہو گیا
کرشن کا اوتار دُنیا سے نرالا ہو گیا
دُنیا کا مالک یہاں گوکل کا گوالا ہو گیا
کنس کی چھاتی پہ اک دن تیر بھالا ہو گیا

مہاتما گاندھی کے زرّیں خیالات

دان

ہندو دھرم کی مقدس کتابوں میں لکھا ہے کہ جو دوسروں کو کھلائے بغیر کھاتا ہے - یا یگیہ کئے بغیر کھاتا ہے - وہ چور ہے - اگر پرماتما ہمیں طاقت اور دولت دیتا ہے - تو وہ اس لئے دیتا ہے کہ ہم اُسے بنی نوعِ انسان کی بہتری اور بہبودی کے لئے خرچ کریں اور اُسے ذاتی اور نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے برباد نہ کریں -

ایشور کی ہستی

اگر وہ نہیں ہے تو ہم بھی نہیں ہو سکتے - اس لئے ہم سب اُسے ایک آواز سے، مختلف اور بے شمار ناموں سے پکارتے ہیں - وہ ایک ہے، وہ لا تعداد ہے - ذرہ سے بھی چھوٹا اور ہمالیہ سے بھی بڑا ہے - سمندر کی ایک بوند میں بھی سما سکتا ہے اور دنیا بھر کے سمندروں سے بھی وہ بہت بڑا ہے - اُسے جاننے کیلئے عقل کام نہیں دے سکتی - وہ تو عقل سے پرے ہے - ایشور کی ہستی ماننے کیلئے اعتقاد کی ضرورت ہے میرا اعتقاد عقل سے بھی زیادہ آگے دوڑتا ہے - اور میں ساری دُنیا کی مخالفت کے باوجود بھی یہی کہوں گا کہ "ایشور ہے اور ضرور ہے!"

(آگے دیکھو صفحہ ۳۱ پر)

"یہ کام کٹھن نہیں صرف دِل ہاتھ اور آنکھ کی ضرورت ہے"

اتہاسک چِٹّھی

اپنے ہندو سرداروں کے سپھل نہ ہونے پر اورنگ زیب نے ہندو سردار راجہ جے سنگھ کو مہاراج شواجی کے خلاف دکھشن کی وجے کیلئے بھیجا۔ لڑائی میں دونو طرف ہندوؤں کا ہی خون ہوگا' یہ سوچ کر ہندوتو کا گورو چاہنے والے شواجی نے فارسی میں جے سنگھ کو جو چِٹّھی لکھی اُس کا اتہاس میں بڑا مہتو ہے۔ ایک انگریز اتہاس لیکھک نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کر کے اسے الگ چھپوایا ہے۔ اُس کی غالباً آٹھ روپے قیمت ہے۔ اب وہ بازار میں ملتی بھی نہیں۔ اس اتہاسک چِٹّھی کو اسی کارن یہاں دیا جاتا ہے۔ اتہاس کے ودیارتھی اُس زمانے کا حال بھی آسانی سے جان سکتے ہیں۔

"اے سرداروں کے سردار، راجاؤں کے راجا اور ہندوستھان کے باغ کی کیاریوں کا انتظام کرنیوالے۔ اے رام چندر کے چیتنا والے دِل کے ٹکڑے، تیرے کارن راجپوتوں کا سر اونچا ہے۔ تجھ سے بابر کے گھرانے کی راج لکشمی بڑی پربل ہو رہی ہے۔ خوش قسمتی تجھ کو مدد دے رہی ہے۔ اے نوجوان قسمت اور تیز عقل والے جے شاہ! تُو شوا کا پرنام اور آشیرواد سویکار کر۔ جگت پتا تیرا رکھشک ہو۔ وہ تم کو دھرم اور نیائے کا راستہ دِکھاوے۔ میں نے سُنا ہے کہ تُو مجھ پر حملہ کرنے اور دکھشن پرانت کو جیتنے آیا ہے۔ ہندوؤں کے دِلوں اور آنکھوں کے خون سے تو دُنیا میں یش والا ہونا چاہتا ہے۔ لیکن تو یہ نہیں جانتا کہ اس سے تیرے منہ پہ کالک لگ گئی ہے۔ کیونکہ اس سے دیش اور دھرم پر مصیبت آ رہی ہے۔ اگر تو ایک کشن کیلئے گریبان میں منہ ڈالے اور اپنے ہاتھ اور دامن پر دھیان دے، تو تجھے پتہ لگ جائے گا کہ یہ کس کا خون ہے اور یہ رنگ تمہارے لئے اس دُنیا اور اگلی دُنیا میں لال ہوگا یا کالا۔ اگر تو اپنی طرف سے دکھشن وِجے کرنے آتا۔ تو میرا سر اور آنکھیں تیرے راستے کا بچھونا بن جاتے۔ میں تیرے ہمرکاب فوج لیکر چلتا اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک ساری زمین تجھے سونپ دیتا۔ لیکن تو تو سجنوں کو دھوکا دینے والے اورنگ زیب کے بہکاوے میں پڑ کر اُسکی طرف سے آیا ہے۔ اب میں نہیں جانتا کہ تیرے ساتھ کونسا کھیل کھیلوں۔ اگر میں تجھ سے مل جاؤں تو یہ پرشتو نہیں کیونکہ پرش وقت کی سیوا نہیں کرتے۔ شیر لومڑ نہیں بنا کرتے۔ اور اگر میں تلوار اور کٹار سے کام لیتا ہوں تو دونو طرف ہندوؤں کو ہی نقصان پہنچتا ہے۔"

"افسوس تو یہ ہے کہ دُشمنوں کا خون پینے کے علاوہ کسی دوسرے کام کے لئے تلوار کو میان سے باہر نکلنا پڑے۔ اگر اِس لڑائی کیلئے ترک آتے تو ہم شیر مرد اسے سمجھتے کہ ہمارے لئے گھر بیٹھے شکار آیا ہے۔ لیکن نیائے اور دھرم سے وِنکت اُس پاپی نے جو منش کے روپ میں راکھشس ہے، جب دیکھا کہ افضل خان سے کچھ بن نہیں سکا، اور شائستہ خان کوئی یوگیتا دکھا نہیں سکا۔ تو تجھے ہمارے خلاف لڑنے کیلئے مقرر کر دیا۔ کیونکہ وہ خود تو ہمارے حملے کو سہن کرنے کی یوگیتا رکھتا نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ہندوؤں میں کوئی بل شالی نہ جائے۔ اخیر آپس میں ہی لڑ بھڑ کر گھائل ہو جائیں، تاکہ گیدڑ جنگل کے شیر بن بیٹھیں۔ یہ گپت بھید تیرے دماغ میں کیوں نہیں بیٹھتا؟ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا جادو تجھے بہکائے رہتا ہے۔ تو نے دُنیا میں بہت بھلا بُرا دیکھا ہے۔ باغ سے تو نے پھول اور کانٹے دونو ہی جمع کئے ہیں۔ اس لئے تجھے یہ نہیں چاہئے کہ تو ہم سے لڑ کر ہندوؤں کے سروں کو مٹی میں ملا دے۔ ایسی پکی کرمنیتا پراپت ہونے پر بھی تو بچپن مت کر۔ تو سعدی کی اس بات کو یاد کر۔

"سب جگہ گھوڑا نہیں دوڑایا جاتا۔ کہیں کہیں ڈھال پھینک کر بھاگنا ٹھیک ہوتا ہے"۔ ! شیر آپس میں نہیں لڑتے۔

"اگر تیری کاٹنے والی تلوار میں پانی ہے، تیرے کودنے والے گھوڑے میں دم ہے، تو تجھے چاہئے کہ دھرم کے شترو پر حملہ کرے اور اُس کے مذہب کی جڑ کھود ڈالے"۔

"اگر دیش کا راجا دارا شکوہ ہوتا تو ہم لوگوں کے ساتھ بھی کرپا کا برتاؤ ہوتا۔ جب تُو نے جسونت سنگھ کو دھوکہ دیا۔ تب دِل میں بھلا بُرا نہیں سوچا۔ لومڑوں جیسے کھیل کھیل کر ابھی تیرا پیٹ بھرا نہیں ہے شیروں سے لڑنے کے لئے ڈھیٹھ بن کر آیا ہے۔ اِس دوڑ دھوپ سے تجھ کو کیا ملتا ہے؟ تیری ترشنا تجھے مرگ ترشنا دکھائی دیتی ہے۔ تو اُس تجھ آدمی جیسا ہے، جو بڑی محنت کر کے کسی

سُندری کو لاتا ہے، لیکن اُس کی خوبصورتی کے باغ کا پھل خود نہیں کھاتا، بلکہ اُسے حریفوں کے ہاتھ سونپ دیتا ہے۔"

"تو اُس کی کرپا پر کیسے ابھیمان کرتا ہے؟ تو جُھجھار سنگھ کے کام کا نتیجہ جانتا ہے۔ تُو جانتا ہے کہ کمار چھتر سال کو وہ کس طرح دُکھ میں ڈالنا چاہتا تھا۔ تُو جانتا ہے کہ دُوسرے ہندوؤں کو بھی اُس کے ہاتھوں کیا کیا کشٹ ہوئے ہیں۔ میں نے مانا کہ تُو نے اُس سے سمبندھ جوڑ لیا ہے، اور کُل کی مریادا اُس کے سر توڑ دی ہے۔ لیکن اس کے لئے یہ بندھن کیا چیز ہے۔ وہ تو اپنے سوارتھ کے لئے بھائی کے خون اور باپ کے قتل سے بھی نہیں ڈرتا۔"

"اگر تُو راج بھگتی کی دُہائی دے تو یاد کر کہ شاہ جہاں کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا۔ اگر ایشور نے تجھے بُدھی دی ہے اور تُو مردانگی کی بڑ ہانکتا ہے، تو تُو اپنی جنم بھومی کے سنتاپ سے اپنی تلوار کو تپا، اور اتیاچار سے پیڑت دُکھیوں کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کا اُس پر پانی دے۔ یہ موقعہ ہم لوگوں کے لئے آپس میں لڑنے کا نہیں، کیونکہ ہندوؤں کو اس وقت بڑا سخت کام کرنا ہے۔ ہمارے لڑکے بالے، دیش، دھن، دیو، مندر اور پُجاری ـــــ ان سب پر اُس کے کام سے مُصیبت آ پڑی ہے۔ اُن کا دُکھ اب آخری حد تک پہنچ چُکا ہے۔ اگر اس کا کام کچھ دن تک اسی طرح چلتا رہا، تو ہم لوگوں کی کوئی نشانی بھی اس زمین پر نہ رہ سکے گی۔"

"بڑے اچرج کی بات ہے کہ مُٹھی بھر ایسے، وہ ہمارے اتنے بڑے دیش پر غلبہ جمائے بیٹھے ہیں۔ یہ غلبہ پُرشارتھ کے کارن نہیں ہے۔ تُو عقل کی آنکھ رکھتا ہے تو دیکھ کہ وہ ہمارے ساتھ دھوکے کی کیسی چالیں چلتا ہے۔ وہ ہمارے پاؤں کو ہماری ہی زنجیروں سے جکڑتا ہے، اور ہمارے سر ہماری ہی تلواروں سے کاٹتا ہے۔"

"ہم لوگوں کو اس وقت ہندو، ہندوستھان اور ہندو دھرم کی رکھشا کے لئے بہت جتن کرنا چاہئے۔ ایک رائے ہو کر ہم کو دیش کے لئے خوب پاؤں مارنے چاہئیں۔ تلوار اور تدبیر دونوں کو پانی دیں۔ تُرکوں کو جیسے کا تیسا جواب دیں۔"

"اگر تُو جسونت سنگھ سے مل جائے، اور رانا سے بھی ایکتا کا بیوہار کرے تو کام بن سکتا ہے۔ چاروں طرف سے دھاوا کر کے تم لوگ لڑائی کرو، اس سانپ کے سر کو پتھر کے نیچے کچل ڈالو، تا کہ کچھ دن تک وہ سوچ میں پڑا رہے، دکھشن کی طرف اپنا جال نہ پھیلا دے، اور میں بھالا چلانے والے ویروں کے ساتھ ان دونو بادشاہوں کا بھیجا نکال ڈالوں۔ بادلوں کی طرح گرجنے والی فوج سے اہندوؤں پر تلوار کا پانی برساؤں۔ دکھشن دیش کے ایک سرے سے دُوسرے سرے تک اہندو مذہب کا نام و نشان دھو ڈالوں۔ اس کے بعد بہادر ویروں کے ساتھ لہریں لیتی اور شور مچاتی ہوئی ندی کی طرح دکھشن کے پہاڑوں سے نکل کر میں میدان میں آنا چاہتا ہوں، تا کہ تم لوگوں کی سیوا میں حاضر ہو سکوں۔ تب اُس سے تم لوگوں کا حساب پُوچھ کر ہم چاروں طرف سے گھور یُدھ لڑیں۔ اور لڑائی کا میدان اُس کے لئے تنگ کر دیں۔"

"ہم لوگ اپنی فوجوں کی ترنگوں کو دِلّی میں اُس خستہ حال گھر میں پہنچا دیں۔ تب اس کے نام میں نہ تو "اورنگ" (راج سنگھاسن) رہ جائے گا، اور نہ "زیب" (شوبھا) ہی، نہ ظلم کرنے والی تلوار، اور نہ کپٹ کا جال ہی۔ ہم لوگ شُدھ ندی بہا دیں، جس سے اپنے پِتروں کی آتماؤں کا ترپن ہو سکے۔ نیائے پرائن پرانوں کی اُتپتّی کرنے والے ایشور کی سہائیتا سے ہم اُس کے لئے زمین کے نیچے جگہ بنا دیں!"

"یہ کام کٹھن نہیں۔ صرف سر، دل، ہاتھ اور آنکھ کی ضرورت ہے۔ دو دِل اگر ایک ہو جائیں، تو پہاڑ کو توڑ سکتے ہیں۔ اور سموہ کو تتر بتر کر سکتے ہیں۔ اِس بارے میں مجھ کو تجھ سے بہت کچھ کہنا سُننا ہے! وہ باتیں چِٹھی میں لکھنا ٹھیک نہیں۔ میں چاہتا ہوں، کہ ہم لوگ آپس میں بات چیت کر لیں۔ جس سے مُفت میں دُکھ اور محنت نہ کرنی پڑے۔"

"اگر تُو چاہے۔ تو میں تجھ سے ملنے کے لئے آؤں؟"

مہاتما گاندھی کے زرّیں خیالات

(صفحہ ۳۶ سے)

بڑی اور غیبی طاقت ہے ایشور اُجالا ہے۔ اندھیرا نہیں۔ وہ محبت ہے یا نفرت نہیں۔ وہ سچ ہے جھوٹ نہیں وہی ایک سب میں ہے۔ ہم اُس کے بندے اُس کی خاک پا ہیں۔ میرا یہ کامل یقین ہے کہ ایشور کی ہستی فرد ہے۔ ہندو شاستروں اور ہمارے پراچین رشیوں نے ایشور کے وجود کو ظاہر کرنے کی کوشش کی اور آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایشور نا قابلِ تعریف اور اپنی قدرت سے ڈھکا ہوا ہے۔

پرارتھنا پرارتھنا یا دعا زبان سے نہیں دل سے ہوتی ہے۔ گونگے بہرے اور کم عقل بھی پرارتھنا کر سکتے ہیں۔ زبان پر امرت ہو دل میں زہر۔ تو زبان کا امرت کس کام کا۔ کاغذ کے گلاب سے خوشبو کیسے آسکتی ہے۔

لگاتار کوشش اور خاموش دُعا یہ میرے دو ساتھی ہیں۔ جو زندگی کے خوبصورت لیکن تھکا دینے والے راستوں میں میری راہنمائی کرتے ہیں، تمام حق کے متلاشیاں کو ان راستوں پر سے گذرنا پڑتا ہے۔ میں پرارتھنا پر زور اس لئے دیتا ہوں۔ کیونکہ میں ایک اعلیٰ ہستی میں یقین رکھتا ہوں۔ پیدائش صرف ایک اتفاقیہ چیز نہیں ہے ہر شخص کو اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ زندگی اور موت ایشور کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم دن بھر ایشور کا خیال کرتے تو نہایت اچھا ہوتا چونکہ ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ اسلئے ہمیں ہر روز کچھ وقت اُس کی یاد ضرور کرنی چاہیئے۔ اگر ہم اپنے پیدا کرنے والے کی لامحدود مہربانیوں کے لئے اُس کا شکریہ ادا نہیں کرتے تو زندگی بے معنی ہو جاتی ہے،

مورتی پوجا میں مورتی پوجا میں یقین رکھتا ہوں میرا خیال ہے کہ مورتی پوجا انسانی خصلت کا ایک خاصہ ہے ہم نشانوں کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ ایک آدمی دوسری کسی جگہ کی نسبت گرجا گھر یا مسجد سے کیوں اُنس رکھتا ہے؟ مورتی پوجا امدادی ہے۔ اُپاسنا کا مطلب پرماتما کو اپنے نزدیک بٹھانا ہے، مورتی کے ذریعہ ہم پرماتما کو اپنے نزدیک لانے کا یتن کرتے ہیں۔ "میں مورتی پوجا کو گناہ خیال نہیں کرتا" میں ایشور کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔ میری زندگی کی رگ رگ میں وہ سمایا ہوا ہے۔

ہماری ہستی پرماتما کے سامنے ہماری ہستی ایک تنکے کے مانند ہے۔ وہ ہمیں جدھر چاہے اڑا دے، ہم اُس کی مرضی کے خلاف نہیں جا سکتے۔ اُس نے ہم سب کو ایک ہو کر رہنے کے لئے بنایا ہے نہ کہ الگ الگ رہ کر زندگی گذارنے کے لئے۔ انسان سے کوئی چیز ممکن نہیں۔ پرماتما سے ہر ایک چیز ممکن ہے۔

بھکتوں کی آزمائش پرماتما اپنے بھکتوں کی آزمائش کیا کرتے ہیں۔ مگر ایک خاص حد تک۔ وہ انہیں اسقدر طاقت دیتا ہے کہ وہ آزمائش میں کامیاب ہو سکیں۔ پرماتما جن لوگوں پر اپنی برکت نازل کرنا چاہتا ہے۔ انھیں بعض اوقات کڑی آزمائش میں ڈال دیتا ہے،

اوم کا حلقۂ ست سنگ

(نوٹ) اوم کے پریمی اگر کسی روحانی مسئلہ کے متعلق خصوصاً ویدانت یا فلسفہ کے کسی سوال کے متعلق کوئی وضاحت یا تشریح چاہتے ہوں تو اپنا سوال مختصر الفاظ میں لکھ کر بھیجدیں۔ اوم میں اس کا جواب شائع کر دیا جائے گا۔ روحانی متلاشیوں کے لئے یہ بے نظیر موقعہ ہے۔

میرا پتہ :- دیوان پنڈی داس چوپڑہ $\frac{۹۴}{۲۹}$ نیو دہلی نمبر ۱۲

اوم کے ناظرین سے خاص نویدن :- اوم کا حلقہ ست سنگ "اوم" کے پریمیوں کی روحانی رہنمائی کے لئے ہے۔ آپ ویدوں۔ کھٹ شاستروں۔ اپنشد۔ گیتا۔ رامائن۔ مہابھارت کی تعلیم کے متعلق اور خاص طور پر ویدانت کی تعلیم کی بنا پر اپنے سوالات بھیج سکتے ہیں۔ ناظرین کے لئے بے نظیر موقعہ ہے، جہاں تک ہو سکے ایک وقت میں صرف ایک ہی سوال بھیجیں۔ اور وہ سوال بھی مختصر لفظوں میں ایک دو سطر میں بیان کریں۔ تاریخی اور غیر ضروری سوالات نہ بھیجیں۔ (ایڈیٹر)

سوال :- راجہ ہرشچندر نے ایک برہمن کا قرضہ چکانے کی خاطر اپنی بیوی اور بچے کو سر بازار نیلام کر دیا۔ کیا یہ اخلاق کے مطابق درست تھا۔

جواب :- معلوم نہیں کہ یہ امر واقعہ بھی ہے یا کہ نہیں کیونکہ وقت گزر جانے پر تواریخ میں اکثر خلاف واقعہ امور کی بھی آمیزش ہو جاتی ہے۔ لیکن آپ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اخلاق کا میزان زمانہ اور حالات کے ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

سوال :- راجہ ہرشچندر کا ڈرامہ دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانے میں مُردے جلانے کا کام اور شمشان بھومی کی دیکھ بھال بھنگیوں کے سپرد تھا۔ کیا اس کے واہ سنسکار کے تقدس میں کوئی فرق نہ آتا تھا؟

جواب :- کیا آپ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ بھنگی لوگ دراصل ہری جن ہی ہیں۔ یعنی وہ بھی اُسی طرح سے پرماتما کی مخلوق ہیں جیسے کہ دوسرے لوگ ہیں۔

سوال :- برہماجی کی۔ شیوجی مہاراج کی۔ شری گنگا ماتا کی پیدائش پر روشنی ڈالیں۔

جواب :- برہماجی، وشنوجی اور شیوجی تینوں ایک ہی ذات واحد کے تین مختلف سروپ ہیں۔ نظام عالم کو ظہور میں لانا۔ اسے برقرار رکھنا۔ اور پھر اسے فنا کرنا۔ ان تینوں شکتیوں کے ظہور اور اعتبار سے ایک ہی واحد ذات تین نام پاتی ہے۔ لہٰذا جب جب سرشٹی وجود میں آتی ہے۔ برہما اور شیو بھی ہستی میں آتے ہیں۔ اور یہ تغیر پذیر سلسلہ عالم جاری رہتا ہے جس میں ہر شئے ہر لمحہ فنا اور پیدا ہوتی رہتی ہے۔

جب کہا جاتا ہے کہ شری گنگا جی شیوجی مہاراج کے کیشوں سے نکلی ہیں تو اُس کا یہی مطلب ہے کہ یہ دریا قدرت کی شکتیوں کا بہترین مظاہرہ ہے۔ اکثر حقائق کو استعاروں کی شکل میں بیان کرنا روحانی لٹریچر کا عام دستور العمل۔ طرز بیان ہے۔

سوال :- پرماتما تو ست سروپ ہے۔ اُس کی دُنیا

بُرائی یعنی بدی کہاں سے آتی ہے

جواب: پرماتما نے جگت ہمارے فائدہ اور بہتری کے لئے ہی بنایا ہے۔ اور اس کی ہر شے اور ہر شکتی ہماری بہبودی کے لئے ہی ہے۔ لیکن جب ہم اس جگت میں کسی حالت یا کسی شے کا ناجائز استعمال کرتے ہیں تو یہی ہماری بُرائی ہو جاتی ہے۔ یعنی دُنیا میں بدی یا بُرائی کا وجود تو ہماری اپنی جہالت یا نادانی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اُس کے لئے خالق عالم ذمہ دار نہیں ہے۔

شریان جسونت رائے جی ہستناپور سے تحریر کرتے ہیں:-

سوال:- رام نے راون سے بدلا لیا۔ اور کرشن بھگوان نے ارجن کو بدلہ لینے کے لئے مجبور کیا۔ مگر ہر مہاتما کہتا ہی ہے کہ بدلہ نہ لے کر دشمن کو معاف کرو۔ آپ تفصیل سے بیان کریں کہ کونسا اصول اچھا ہے؟

جواب:- آپ خیال رکھیں کہ زندگی کی مختلف سطحوں پر قدریں بدل جاتی ہیں۔ ایک سطح پر جو کام مناسب ہے۔ وہی دوسری سطح پر معیوب ہے۔ مثلاً دُنیاوی ترقی کے لئے محنت سے کام کرنا مناسب اور معقول ہے لیکن کوئی کام آپ کو خود شناسی کے لئے رہنمائی نہیں کر سکتا ہے شری کرشن بھگوان گیتا میں فرماتے ہیں کہ دیوتاؤں کے بھگت دیوتاؤں کے پاس جاتے ہیں اور میرے بھگت میرے پاس آتے ہیں۔ دونوں کے راستے جُدا جُدا ہیں۔ زندگی کے ایک شعبہ میں دیوتاؤں یعنی قدرت کی شکتیوں کی پُوجا ضروری ہے اور آتم درشن کے لئے یہی راستہ معیوب ہے۔ لہذا روحانی سطح پر تو نہ کوئی ہمارا دشمن ہے نہ کسی سے بدلہ لینا ہے۔ لیکن دُنیاوی سطح پر ہمارے دشمن بھی ہیں اور اُن کا ناش کرنا بھی بہت حالتوں میں ضروری ہے اور ہمارا فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منو مہاراج فرماتے ہیں کہ اتاتائی کو یعنی جو شخص ہماری زمینوں پر قبضہ کرنے کے لئے آئے، ہماری مستورات کی عزت پر حملہ کرے، مکانوں کو آگ لگانے کے لئے آئے اُسے جان سے مارنا بھی غیر مناسب نہیں ہے۔ لیکن پرورتی مارگ کے اصول نورتی مارگ کے لئے بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اور دُنیاداری، راج نیتی اور حکمت عملی کے اصول آتمک گیان کے حاصل کرنے میں کوئی مدد نہیں دے سکتے ہیں۔ آپ کے دل میں جو سنشے پیدا ہوا ہے وہ زندگی کی مختلف سطحوں کو مِلا دینے سے پیدا ہُوا ہے۔ جو بات مہاتما لوگ کہتے ہیں وُہ نورتی مارگ کی بات ہے اور ٹھیک ہے۔ لیکن رام اور کرشن کا طرز عمل اُس وقت مکتی یا آتم درشن کی تعلیم کے لئے نہیں تھا وہ تو واقعات کی دُنیا سے متعلق تھا۔ اور وہ بھی اُس وقت کے لئے ٹھیک تھا۔

"مرتیو پر وجے"

(از لالہ جگن ناتھ جی کھنہ صفیؔ برندابن نواسی)

منشیہ نے اپنے جیون کو سکھ مئے بنانے کے لئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ وگیان کی تمام شکتی کا پریوگ اس نمت اور ادیش کے لئے کیا جا رہا ہے۔ پرکرتی سے ہوڑ لگ چکی ہے اور اس پر وجئی ہونے کے لئے منشیہ کیا کچھ کر رہا ہے۔ کہیں اپ گرہ بن رہے ہیں تو کہیں ایٹم اور ہائیڈروجن بم جن کی شکتیوں کا یدی دُر اپیوگ کیا جائے تو وشو کا سروناش ہو سکتا ہے۔ اور یدی انہیں منشیہ جاتی کی بھلائی کے لئے استعمال کیا جائے تو منشیہ کا جیون کئی پرکار سے سکھ مئے ہو جانے کی سمبھاونا ہے۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اتنی اُنتی پراپت کر لینے پر بھی منشیہ مرتیو پر وجے پراپت نہیں کر سکا اور نہ ہی کوئی ایسی آشا اور سمبھاونا ہے کہ اس قسم کے سادھنوں سے کبھی وہ موت پر قابو پائے گا۔ اسی ایک سوال کو حل نہ کر سکنے پر منشیہ وِوش چلا آ رہا ہے بڑے بڑے شکتی شالی راجے مہاراجے۔ راون جیسے پرتاپی اور کنس اور جراسندھ جیسے وجیتا۔ ہرنیا کشیپ اور ہرناکش جیسے یودھا اور مہا بھیانی۔ نپولین اور ہٹلر جیسے وشو وجیتا سب کے سب اپنے اپنے سمے پر جیون کا کھیل کھیل کر کال وش ہو گئے۔ اس کے پھندے سے نہ بچ سکے۔ بھگوان نے جب جب کسی ادیش سے اوتار دھارن کیا۔ وہ کاریہ سماپت ہو جانے کے بعد وہ بھی اپنے مایا رچت شریر کو چھوڑنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ بھیشم پتاما جیسے یوگیراج اور سوتم بھگوان شیام سندر جیسے ترلوکی پتی نے بھی ایک معمولی انسان کی طرح اپنے شریر کو تیاگ کر پرم دھام کو چلے گئے۔ تمام رشی منی اور یوگی جنوں کی گاتھاؤں سے ہمارا اتہاس بھرا پڑا ہے۔ انت میں کال کا گراس بنے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں موت ہی ایک حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہی ایک گتھی ہے جس کو سلجھانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ یہ ایسی سمسیا ہے جس کا کوئی حل نہیں۔ مہاتما بدھ نے کیول اس پر وجے پانے کے لئے گھر بار چھوڑا اور اس کے رہسیہ کو سمجھنے کے لئے وہ دنیا سے کنارہ کش ہوئے۔ گھور تپسیا کی۔ بودھ بن گئے یعنی ان کی گیان چکشو کھل گئی اور انہوں نے اسی ادیش سے بودھ مت چلایا۔ لیکن مرتیو سے وہ بھی نہ بچ سکے اور انہیں بھی اپنا پنج بھوتک شریر چھوڑنا ہی پڑا۔ خواہ اسے نروان پد یا مہا نروان ہی کیوں نہ کہا جائے۔

مرتیو کیا ہے کیوں آتی ہے اور اس کے بعد جیواتما کی کیا گتی ہوتی ہے۔ یہ ایسے پرشن ہیں جن کا جواب موجودہ سائنس تو کبھی دے ہی نہیں سکتی۔ کیول ہمارے اپنشد کاروں نے اس رہسیہ کے کھولنے کی کوشش کی ہے۔ ارتھات وید بھگوان ہی اس پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں ورنہ یہی بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ کس نہ کشود و نکشاید بحکمت ایں معمہ را

(کسی نے آج تک اپنی بدھی بودا اس پہیلی کو حل نہیں کیا اور نہ ہی بھوشیہ میں کوئی ایسی امید ہے)

اسی طرح سے نظیر اکبر آبادی نے کہا ہے ؎

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

دراصل یہ ایک کڑی حقیقت ہے اور اس میں شک کی گنجائش ہی نہیں، دنیا میں کون ایسا بشر ہے جس نے اپنے جیون میں اس سچائی کو نہ پرکھا ہو، اور اس سانپ نے اسے نہ ڈسا ہو۔ ہفت اقلیم کے مالک بڑے بڑے دھنوان، شکتی شالی اس موت کے مقابلہ کرنے میں عاجز اور بے بس ہو گئے تو معمولی انسان کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ وہ بیچارہ کس گنتی میں ہے لیکن مزا یہ ہے کہ زندگی میں منشیہ اپنے دھندوں میں اتنا مشغول رہتا ہے کہ اس طرف اس کا صرف اُس وقت دھیان جاتا ہے جب اس کا کوئی قریبی رشتہ دار، استری، پتر، بھائی، ماتا، پتا آدی اسے داغ مفارقت دے جاتا ہے۔ لیکن وہ بھی تھوڑے وقت کے لئے پھر وہی دنیا اور اس کے دھندے اور بس، اگر سنتھائی روپ سے اس کے ہردے پر چوٹ لگے اور وہ اس گپت رہسیہ کو سمجھنے کے پیچھے پڑ جائے تو سمجھو کہ اس نے مرتیو پر وجے پراپت کر لی ورنہ وہ بھی اندھا دھند اسی رستہ پر چلا جاتا ہے جس پر سب چلے جا رہے ہیں اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں، اسی کو WAY OF THE WORLD کہتے ہیں اتھات دنیاداروں کا راستہ، یہی پرتھوی کی مایا ہے، شمشان بھومی میں جا کر چند منٹوں کے لئے سب گیانی اور ویراگی بن جاتے ہیں، سنسار کی اساریتا کی باتیں کرتے ہیں۔ اور ماتم زدہ پریوار سے اتھات جن کے گھر سے کوئی پرانی موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ بڑے عجیب پریم میں سوانبھوتی (ہمدردی) پرگٹ کرتے ہیں، سنسار چلتی سرائے ہے بھائی یہاں جو آتا ہے اُسے ایک دن جانا ہی ہوتا ہے، یہ چند روزہ کھیل ہے۔ اس میں انسان کس کس کو روئے، ایشور کی اچھیا ہی ایسی تھی۔ حوصلہ کیجئے ایشور سے زور تھوڑا ہی چلتا ہے، شمشان بھومی میں یہ لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، اپنی آنکھوں سے مرتک شریر کو چتا پر رکھا جاتا دیکھتے ہیں۔ اور کئی تو یہ کام اپنے ہاتھ سے کرنا ہی کرتویہ سمجھتے ہیں۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک سماجک سیوا ہے سب دیکھتے ہیں۔ کہ وہی جسم جسے زندہ حالت میں سردی گرمی بھوک پیاس آدی اتنا ستاتی تھیں۔ اور ان سے بچنے کے لئے کیا کیا انتظام کئے جاتے تھے آج محض ایک لکڑی کے لٹھ کی طرح بے حس و حرکت پڑا ہے نہ اسے کڑاکے کی دھوپ دکھ دیتی ہے اور نہ آگ نہ پانی اور اگنی کے مکھ میں وہ اس طرح پرویش کرتا ہے جس طرح اس کی چتا کی لکڑیاں اور لطف یہ کہ اس کا عزیز ترین رشتہ دار ہی اُس چتا کو آگ لگاتا ہے۔ چند منٹوں کے اندر اگنی پرجولت ہو کر چاروں طرف اسے گھیر لیتی ہے۔ اور اس مرتک شریر کی آہوتی کو آترتا سے (بے صبری) گرہن کرتی ہے جس طرح کوئی بھوکا بھوجن ملنے پر سنتوش سے کام نہ لیتے ہوئے ایکدم اس پر ٹوٹ پڑتا ہے اور دیکھتے دیکھتے مرتک شریر اگنی کا گراس بن جاتا ہے اور چتا سے شعلے بڑے زور سے نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے لوگ اس کے پاس کھڑے نہیں ہو سکتے، یہ سب درشیہ دیکھتے ہوئے بھی بہت سے ایسے سجن بھی وہاں ہوتے ہیں جو اس وقت بھی روزمرہ کی زندگی کی بیوپاری اور اخباری دنیا کی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ زیادہ دیر تک وہ اس واقعہ کے دباؤ کے نیچے رہنا پسند نہیں کرتے شریر رکھشا کے خیال سے یہ بات بالکل ٹھیک ہے آخر مرنے والے کے ساتھ گھر کے لوگ تھوڑے ہی جاتے ہیں۔ وچار سے کام لینا چاہئے ایسے موقعوں پر، اور حوصلے سے ایسے صدمات کو برداشت کرنا چاہئے۔ یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن ایسا کرنے کے لئے پرشن ہو، پر دیہی تو نہیں پائی جا سکتی اُس کا بیج تو بنا ہی رہتا ہے اس سے کیسے بچا جائے مارگ کیا سادھن ہیں اس کے لئے ہم آج پاٹھک ورگ کے سامنے شریمد بھگوت گیتا کے کچھ شلوک پیش کریں گے جن میں بھگوان سری کرشن نے ارجن کو اس کے متعلق اپدیش کیا ہے۔ یاد رہے کہ گیتا بھگوتی تمام اپنشدوں کا نچوڑ اور سار ہے۔ اور اس کی وشیشتا یہ ہے کہ سوینگ بھگوان کے مکھاربند سے کہے جانے کا اسے سوبھاگیہ پراپت ہے۔ لیجئے اب ذرا ان شلوکوں کا توجہ سے مطالعہ فرمائیے:۔

چوتھے ادھیائے کے نویں شلوک میں بھگوان فرماتے ہیں۔

جنم کرم چ مے دِویہ میونگ یو وبتی تتوتہ
تیکتوا دیہنگ، پنر جنم، نیتی۔ مامیتی سوارجن ۹

ارتھات :۔ ہے ارجن میرا وہ جنم اور کرم الوکک ہے جو اس کو تتو سے جانتا ہے یعنی جو اس کی اصلیت کو سمجھتا ہے شریر کو تیاگ کر یعنی مر کر پھر وہ ادر جنم نہیں لیتا۔ کنتو مجھے ہی پراپت ہو جاتا ہے۔ (ایسے پُرش کو ہی تتو نیا ادر گیانی کہا جاتا ہے یہ بات عام لوگوں کے حصّہ میں نہیں آسکتی۔ وہ اچھے ہو کر جنم کیسے لے لیتے ہیں جو اس بات کو بیتھار تھ روپ سے سمجھ لیتا ہے۔ وہ تتو گیان کو پراپت کر بھگوان تک پہنچ جاتا ہے۔

۲۔ اس کے بعد ساتویں ادھیائے کا تیسواں شلوک ملاحظہ ہو۔

سادھی بھوتا دی دیونگ ماں سادھی یگنگ چ یے وِدھو
پریان کالے بی چ ماں تے وِدُر یکت چیت سہ

ارتھات
جو ادھی بھوت اور ادھی دیو سہت اور ادھی یگیہ کے سہت سب کا آتم روپ میرے کو جانتے ہیں (ارتھات جیسے بھاپ، بادل، دھوآں پانی اور برف یہ سب جل روپ ہیں) سب واسدیو سروپ ہیں جو ایسا جانتے ہیں وہ انت کال میں بھی مجھکو پراپت ہوتے ہیں۔

جس کا آسان لفظوں میں یہ مطلب ہے کہ ہر شرف ادرحق خاص بھی گیانی ادر تتو گیا (حقیقت شناس) کو ہی حاصل ہو سکتا ہے عام سنساری پُرش نہ یہ حقیقت سمجھیں اور نہ بھگوان کو پراپت ہو سکیں اور نہ ہی پھر انہیں بھگوان کی پراپتی ہو، اس کے ابعد آٹھویں ادھیائے کے پانچویں شلوک میں یہ کہا گیا ہے :۔

۳۔ انت کالے چ مامیو سمرن مکتوا کلیورم
یا پریاتی چ مدبھاونگ یاتی ناستیتر سنشیہ

یعنی جو پُرش انت کال میں میرے ہی کو سمرن کرتا ہوا شریر کو تیاگ کر جاتا ہے۔ وہ میرے ساکشات روپ کو پراپت ہوتا ہے اس میں کچھ بھی سنشے نہیں ہے۔ اس شلوک میں بھگوان نے اپنی پراپتی کا بڑا سگم اُپائے بتایا ہے ارتھات مرتے وقت ان کو ہی سمرن کرنا، پرنتو یاد رہے کہ اس انتیت مشکل وقت میں ایسے ہی پُرشوں کا خیال بھگوان کی طرف جا سکتا ہے جو پہلے ہی آیو بھر اُن کے ہی ہو کر رہے ہوں" بڑی ملنشیہ دل سے بھگوان کا ہو جائے (جیسا کہ انھوں نے آگے چل کر نویں ادھیائے میں کہا ہے من منا بھو مد بھکتو مدیاجی ماں نمسکرو، یعنی انہیں میں اچل من والا ہو جائے نرنتر اُن کا بھجن کرے اور ونہی لوپُرک بھگتی سہت۔ انہیں کے آگے ڈنڈوت پرنام کرے) اور کوئی کھشن ان کے بھجن اور سمرن کے بغیر نہ وتیت کرے۔ دُنیا میں رہتا ہُوا دُنیا کا نہ رہے۔ تب ہی انت کے وقت اس کا دھیان بھگوان کے سمرن کی طرف جا سکتا ہے، انیتھا نہیں۔ اس سے بڑھ کر منشیہ کے کلیان کے لئے بھگوان اور کیا کہتے۔

(۴) آگے اسی ادھیائے کے چھٹے شلوک میں بھگوان فرماتے ہیں :۔

یم یم وا پی سمرن بھاونگ تیجتیتے کلیورم
تم تمیویتی کونتیئے سدا تد بھاو بھاوتہ

ارتھات : ہے کنتی پتر، یہ منشیہ انت کال جس جس بھی بھاو کو سمرن کرتا ہُوا شریر کو تیاگتا ہے۔ اس اس کو ہی پراپت ہوتا ہے۔ کیونکہ جس بھاو کا منشیہ سدا ہی چنتن کرتا ہے انت کال میں عموماً اسی کا سمرن ہوتا ہے۔

انت سمے پرانی انہی بھاووں کا چنتن کرتا ہے جن کا جیون بھر کرتا رہا ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ عین اُس وقت وہ باقی سب بھاووں کو چھوڑ کر بھگوان کا سمرن کرنا شروع کر دے۔ ایشور کرپا ہو تو ہو بھی سکتا ہے لیکن ایسا ہونے کی سمبھاونا نہیں ہے۔ اس بھاو کو پکانے کے لئے ہی سندھیا، جپ، ستوتر کا پاٹھ آدی ضروری سمجھے گئے ہیں۔ یہی منشیہ دُنیا کے پدارتھوں اور اپنے سمبندھیوں کو تو خود سمجھ لے اور اُن سے اس کا لگاؤ نہ رہے۔ سادھارن

پریم رہے اور ہردے سے بھگوان کی ہی آرادھنا کرتا رہے تو انت کے سمے میں بھگوان ادھشیہ اس کی سہائتا کرتے ہیں۔

(۵) آگے اسی ادھیائے کے دسویں شلوک میں کہا گیا ہے۔

پریان کالے منسا چلین
بھکتیا یکتو یوگ بلین چیو
بھرور مدھیئے پران مادیشیہ سمیک
س تنگ پرنگ پُرش میتی دویم

ارتھات وہ بھکتی یکت پرش انت کال میں بھی یوگ بل سے بھرکٹی کے مدھیہ میں پران کو اچھی پرکار استھاپن کر کے پھر نسچل من سے سمرن کرتا ہوا اُس دِویہ روپ پرم پُرش پرماتما کو ہی پراپت ہوگا۔

(۶) آگے چل کر اسی ادھیائے کے تیرھویں شلوک میں "اوم" اکھشر روپ برہم کا اچارن کرتے ہوئے۔ پران تیاگنے کا پھل بتایا گیا ہے۔

اوم، اتیبے کا کھشرنگ برہم دیاہرن مامنوسمرن
یا پریاتی تیجن دیہنگ س یاتی پرماگتیم

ارتھات جو پُرش اوم، ایسے اس اکھشر روپ برہم کو اُچارن کرتا ہوا۔ اور اس کے ارتھ سروپ میرے کو چنتن کرتا ہوا شریر کو تیاگ جاتا ہے وہ پُرش پرم گتی کو پراپت ہوتا ہے، اس کا مطلب صاف ہے کہ شریر تیاگ کرتے وقت اوم، کا اچارن کرتے ہوئے اس کے ارتھ روپ بھگوان کا چنتن بھی کیا جائے۔ تب اس کو وہ پرم گتی پراپت ہو سکتی ہے یہ تب ہو سکتا ہے کہ جیون میں منشیہ اوم "اچارن کرنے اور اس کے ارتھ روپ بھگوان کا چنتن کرنے کا ابھیاس کرتا رہے، یہ بات بھی کیول مرن شیا پر پڑے ہوئے پرانی سے سدھ نہیں ہو سکتی، اس کے لئے بھی ساری عمر کا ابھیاس چاہئے۔

(۷) آگے اسی ادھیائے کے سولھویں شلوک میں بھگوان پھر فرماتے ہیں۔

آبرہم بھونا لوکاہ پنر اورتنوارجن
مامو پیتیہ تو کونتیئے پنر جنم نہ ودیتے

ارتھات :- کیونکہ ہے ارجن برہم لوک سے لیکر سب لوک پنر آورتی سبھاو والے ہیں ارتھات جن کو پراپت ہو کر پھر سنسار میں آنا پڑتا ہے پرنتو جو مجھکو پراپت ہو جاتا ہے اُس کا پنر جنم نہیں ہوتا جس سے یہ بات اچھی طرح سے واضح ہو جاتی ہے کہ بھگوان کو پراپت کرنے کے بعد پھر کوئی بکھیڑا نہیں رہتا۔

(۸) اس سے آگے بارھویں ادھیائے کے شلوک چھ اور سات میں بھگوان پھر اسی بات کو کھول کر بتاتے ہیں۔

یے تو سروانی کرمانی مئی سنیسیہ متپراہ
انن ییے نیو یوگین مام دھیاینت اپاستے

ارتھات جو میرے پرائن ہوئے بھکت جن سمپورن کرموں کو میرے میں ارپن کر کے مجھ سگن روپ پرمیشور کا ہی انن بھاو یوگ سے چنتن کرتے ہوئے بھجتے ہیں۔

(ساتواں شلوک) تیشاں ہم سمدھرتا مرتیو سنسار ساگرات
بھوامی نچرات پارتھ میاویشت چیتسام

ارتھات، ہے ارجن اُن میرے میں چت کو لگانے والے پریمی بھگتوں کا میں شیگھر ہی مرتیو روپ سنسار سمندر سے ادھار کرنے والا ہوتا ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ بھگوان اپنے انیہ پریمی بھگت کو مرتیو روپ سنسار ساگر سے بچا لیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ان میں چت نہیں لگاتا تو اس کے لئے یہ آواگون کا چکر تو چلتا ہی رہتا ہے۔ (باقی پھر)

بیداری

از

ڈاکٹر راج بہادر ورما راز

منظر ہر ایک دلفریب دلکش ہے رونقِ چمن
ابکی بہار میں عجب شوخی ہے اور بانکپن
کعبہ و دیر پہ بھی ہے یکساں نگاہِ برہمن
الفت کے رنگ و نور میں ڈوبے ہوئے ہیں مرد و زن
ہر اک ادائے ناز میں عشوہ گری شعور ہے
ہر اک فضا کے ساز میں جلوہ گری سرور ہے
عیش و طرب ہیں بیکراں لب پہ نہ غم کا نام ہے
صبح ہر ایک خوشنما۔ کیف زا حسنِ شام ہے
محفل ہے مستیوں سے پُر کوئی نہ تشنہ کام ہے
پیرِ مغانِ میکدہ دور سے ہی سلام ہے
فرقِ دلوں سے اٹھ گیا خورد و کلاں ہیں مہرباں
اب ہے بہارِ بے خزاں۔ اہلِ چمن ہیں شادماں
آج حدودِ عشق میں آ تو گیا ہے آدمی
آج نظامِ حسن سے بدلا ہوا ہے آدمی
سانچے میں اتحاد کے ڈھل تو رہا ہے آدمی
صدیوں کی ٹھوکروں کے بعد، آج بنا ہے آدمی

اب ہے بہارِ دلنواز، ہوش سکونِ جان ہے
میرے غریب ملک کی۔ دنیا میں آج شان ہے

اب نہ وہ بھید بھاؤ ہے۔ اب نہ وہ چھوت چھات ہے
اب نہ وہ امتیاز میں پرسشِ ذات پات ہے
روز بھی روزِ عید ہے۔ شب بھی شبِ برات ہے
آج خوشی سے کھیلتی حسرتِ ہر حیات ہے

زندگی اب کمال ہے اور کمال اوج ہے
آج فضائے رقص میں قلب کی موج موج ہے

آج وطن کی زندگی قابلِ اعتبار ہے
دیش کی کائنات پر ہوش کا اختیار ہے
راز ہزار جان سے قلب و جگر نثار ہے
آج یہاں سکون قلب حاصلِ صد وقار ہے

جانے نہ پائیں ہاتھ سے اپنے وطن کی عظمتیں
ہم سے نہ ہوں جدا کبھی پائیں جو ہم نے نعمتیں

تحریکِ عدم تعاون کے بانی

ستگورو بابا رام سنگھ جی

انیسویں صدی کے آخری نصف حصہ میں ہندوستان میں انگریزی غلامی کا جوا اُتار پھینکنے کے لئے جو جو کوششیں ہوئیں۔ اُن میں سے پنجاب کے کوکا اور نامدھاری اندولن کا خاص مقام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی میں مروج "اسہیوگ" اور "سودیشی" شبد جو ہندوستان میں قومی تحریک میں ہی استعمال میں لائے گئے۔ جب ابھی کانگرس کے جنم ہونے میں بیس برس باقی تھے، مہاتما گاندھی کا جنم بھی نہیں ہوا تھا۔ اُس وقت کوکا تحریک کے روح رواں بابا رام سنگھ نے اپنے کاریکشیتر پنجاب میں انگریزی حکومت سے مکمل عدم تعاون کیا۔ اور اُن کی بنائی عدالتوں، پوسٹ آفسوں اور دیگر تمام ولایتوں سے آنے والی اشیاء کا بائیکاٹ کیا۔

پیدائش اور توسیع

آج کوکا یا نامدھاری جماعت سکھوں کے تحت ایک فرقہ سمجھا جاتا ہے۔ اور بابا رام سنگھ کو اس فرقہ کا خالق۔ ان کا جنم سمت ۱۸۷۲ میں ضلع لدھیانہ کے "بھینی" گاؤں میں ہوا۔ اُس وقت پنجاب پر انگریزوں کی چھایا نہ پڑی تھی اور وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی عملداری میں تھا۔ بابا رام سنگھ نے اپنے شروع کے ایام مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں بھرتی ہو کر گذارے تھے۔ اُس وقت بابا بالک سنگھ نام کے ایک روحانی مہاتما کی پنجاب میں بہت شہرت تھی۔ بابا رام سنگھ خود روحانی رجحان کے مالک تھے پہلی ملاقات میں ہی یہ اُن سے متاثر ہو گئے۔ اور اُن کے پیرو بن گئے۔ بابا بالک سنگھ نے انہیں اپنا جانشین بنایا۔ اور ساتھ ہی دیش کی سوتنترتا اور سماجک کورِیتوں کے بارے میں ایک موثر اُپدیش دیا۔ ۱۸۵۷ء میں جس سال بھارت ورش انگریزی غلامی سے مکتی پانے کی انتہائی اور زوردار کوشش کر رہا تھا۔ بیساکھی کے دن بابا رام سنگھ نے اپنے سنگٹھن کی بنیاد رکھی۔ انہیں دنوں گورو گوبند سنگھ نے بھی سکھ پنتھ کو "خالصہ" کا نام دے کر نئے سانچے میں ڈھالا۔ بابا رام سنگھ نے اپنے پیروؤں کے لئے جو اصول مقرر کئے اُن میں انگریزی راج کی نوکری نہ کرنا، سرکاری سکولوں، عدالتوں اور بدیشی کپڑے کا مکمل بائیکاٹ کرنا۔ مقدمے عدالتوں کی بجائے پنچائتوں میں سلجھانا، سرکاری ڈاکخانوں اور تار گھروں کا استعمال نہ کرنا خاص اہم تھے۔

بابا رام سنگھ فطرتاً ایک ادھیاتمک اور دھارمک رُچی کے مہاتما تھے۔ پنجاب سے سکھوں کا راج ختم ہونے کے بعد وہاں کئی دھارمک اور سماجک برائیوں نے جنم لے لیا۔ ان حالات میں بابا رام سنگھ کی تحریک بڑی موثر، سدھار وادی تحریک تھی۔ اُن کی شخصیت نہایت پُرکشش اور اثر انگیز تھی، جیسے جیسے پنجاب میں اُن کی شہرت بڑھتی گئی، تیسے تیسے ان کی تنظیم کو مضبوطی ملتی گئی۔

نامدھاری

پنجاب میں بابا رام سنگھ کے پیروؤں کو کوکا یا نامدھاری کہا جانے لگا۔ نامدھاری کا مطلب ہے نام دھارن کرنے والا یعنی جس کی بھگوان کے نام سے خاص رُچی ہو۔ یہ اپنے کیرتن بڑے جوش اور خروش سے اونچی آواز میں کیا کرتے ان کی کوکیں دور دور تک سنی جاتی تھیں۔ اس لئے انہیں "کوکا" بھی کہا جانے لگا۔

حکومت کا عتاب: شروع شروع میں انگریزی

حکومت اس تحریک کو سماجی اور مذہبی رنگ ہی سمجھتی تھی سب سے پہلے ۵ اپریل ۱۸۶۳ء میں سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر مسٹر میکنب نے جو رپورٹ پنجاب کے گورنر کے پاس بھیجی اُس میں اس تحریک کے پس پردہ سیاسی مقاصد کا شبہ ظاہر کیا گیا تھا۔ اس رپورٹ میں لکھا تھا کہ رام سنگھ نام کا ایک سکھ جس کی عمر قریباً ۵۰ سال ہے ضلع سیالکوٹ کا دورہ کر رہا ہے اُس کے ساتھ لگ بھگ ۔۔۔ سکھ ہیں۔ اس کے ہزاروں سیوک ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں میں بغاوت کا پرچار کرتا ہے کسی سرکاری افسر کا حکم نہیں مانتا۔ یہاں سے اُس کے ۵۰۰۰ سیوک بیساکھی کا میلہ دیکھنے امرتسر جا رہے ہیں۔"

تمام پنجاب میں اس بات کی چرچا ہو گئی تھی کہ ۱۸۶۷ء کی دیوالی پر بابا رام سنگھ اپنے کوکوں سمیت ہزاروں کی تعداد میں امرتسر پدھاریں گے۔ امرتسر کے ایک پولیس افسر نے یہ اطلاع صوبائی گورنمنٹ کے پاس بھیجی کہ پولیس کے ایک کوکے سپاہی نے قبول کر لیا ہے کہ اس دیوالی تک بابا رام سنگھ کے کل منصوبے مکمل ہو جائیں گے اور امرتسر میں زبردست بغاوت کا اندیشہ ہے۔ پنجاب میں ان کے چالیس ہزار پیرو بغاوت کے لئے تیار ہیں۔ اور بابا رام سنگھ نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ ضرورت پڑنے پر بندوقیں اور دیگر آتشیں اسلحہ بھی فراہم کر لیا جائے گا۔ ان کی ڈاک لانے لے جانے کا اپنا انتظام تمام پنجاب میں مکمل ہو چکا ہے۔ اور ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں ان کے پیغامات باسانی پہنچ رہے ہیں۔ سرکاری محکمہ ڈاک سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

اس رپورٹ کی بنا پر ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے بابا رام سنگھ پر یہ پابندی لگا دی کہ وہ بغیر سرکاری اجازت حاصل کئے "بھینی" کی حدود کے باہر نہ جائیں۔ ان کے ۲۲ صوبے بھی اپنے اپنے مقامات میں نظر بند کر دیئے گئے۔ لیکن ان پابندیوں سے بابا رام سنگھ کی شہرت میں اضافہ ہی ہوا۔ نظر بندی کے ایام میں "بھینی" میں درشن ابھلاشیوں کی بھیڑ لگی رہتی۔

حکومت کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اُس نے سمجھ لیا کہ بغیر بابا رام سنگھ کو ملک بدر کئے اس انقلابی سنکٹ کو نہیں ٹالا جا سکتا۔ بابا جی کو ان کے اصولوں سمیت الہ آباد کے قلعہ میں نظر بند رکھنے کے دو ماہ بعد اُنھیں ان کے ایک ذاتی خدمتگار بھائی نانو سنگھ سمیت برما بھیج دیا گیا۔ وہ ۱۱ مارچ ۱۸۷۲ء کو رنگون کی بندرگاہ پر اُترے۔ اور ۵ ماہ مرکزی جیل میں رکھے جانے کے بعد چھاؤنی کے ایک بنگلے میں تبدیل کر دیے گئے۔ آٹھ برس تک وہاں نظر بند رہنے کے بعد انھیں ۲۱ ستمبر ۱۸۸۰ء کو مرگوئی بھیج دیا گیا۔ اور سرکاری بیان کے مطابق وہاں ۱۹ دسمبر ۱۸۸۵ء کو ان کا سورگ واس ہوا۔

بابا رام سنگھ جی کے گرفتار کئے جانے کے بعد اُن کے سمبندھیوں اور پیروؤں پر جو مظالم ڈھائے گئے ان کی یاد ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

شردھانجلی

(۱۵ اگست کے دِن شہیدوں کے پرتی)

از قلم شری لوک ناتھ جی دِل

اُن متوالے دیش بھگتوں کو بار بار میرا پرنام
اٹل رہے گا دھروتارے کے سدرش جنکا پیارا نام

جِن کے اُر میں دیش کے پیار کی دھدھک اُٹھی بھیشن جوالا
جنھوں نے پھانسی کی رسّی کو سمجھا پھولوں کی مالا
جنہوں نے بھارت ورش کے ہت برچھی چھُری کھایا بھالا
اُن متوالے دیش بھگتوں کو بار بار میرا پرنام
اٹل رہے گا دھروتارے کے سدرش جنکا پیارا نام

جو سوادھینتا کے اُر میں پہنا گئے منڈوں کی مالا
اپنا آپ جلا کر جو دے گئے ہیں جگ کو اُجیالا
کر گئے جو جیون پروان پی کر وِش کا گھاتک پیالا
اُن متوالے دیش بھگتوں کو بار بار میرا پرنام
اٹل رہے گا دھروتارے کے سدرش جنکا پیارا نام

اُچھل پڑے بلیّوں دِل جنکے تیغوں کی جھنکاروں پر
کود پڑے جو سمر انگن میں شترو کی للکاروں پر
چھاتی تانتے رہے برستے گولوں کے انگاروں پر
اُن متوالے دیش بھگتوں کو بار بار میرا پرنام
اٹل رہے گا دھروتارے کے سدرش جن کا پیارا نام

"بھگوت کرپا"

از قلم
شری جگن ناتھ جی کھنہ بی اے بی ٹی

بھگوان کے سروپ کو سمجھنے کے لئے بھگوت کرپا کی آوشیکتا ہے۔ یدی اُن کی کرپا ہو تو ان کا نرمل نردکار رُوپ ہماری سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ منشیہ اس مہان اُدیش کے لئے ترتن شیل ہی نہ رہے۔ جُوں جُوں وہ سچے دل سے اس کی پراپتی کا ترتن کرے گا تُوں تُوں بھگوان اس پر کرپا کرینگے اس کے لئے سب سے بڑا ترتن اور اُپائے ہے چت کا نرودھ۔ انتہات منشیہ اپنے چت کی چنچلتا پر قابو پانے کی کوشش کرے کیونکہ من کی چنچلتا اور طرح طرح کے کاموں میں برتیوں کا لگانا اس اُدیش کی پُورتی میں بڑی بھاری رُکاوٹ کا ہیتو ہے۔ آپ جل میں کوئی چیز پھینک دیں یدی جل نرمل ہوگا اور ستھر ہوگا تو وہ بڑی آسانی سے دکھائی دے سکیگی انیتھا نہیں۔ جب تک ندی کی دھارا نہیں رُکے گی اس کے اندر پڑی ہوئی مٹی دکھائی نہیں دے سکتی۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اپنی وچار دھارا کو قابو نہیں کرتے۔ وہ جاری ہی رہتی ہے اور چاہتے ہیں کہ ہم ایشور کے سروپ کا بودھ پراپت کرسکیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

کبیرا آدر کھیا کوئی نہیں سکی گھٹڑی نال
گرہ کھول نہیں جانتے تاپر بھئے کنگال

بھگوان تو ہمارے ہردے میں واس کر رہے ہیں اور ہم انکو دھونڈنے کے لئے غلط طریقہ اختیار کر رہے ہیں۔ دراصل ہم انھیں پراپت کرنا ہی نہیں چاہتے ہیں تو ایسا کبھی نہ ہو پرماتما کے اتنے نزدیک رہتے ہوئے بھی منشیہ وشیوں کے پیچھے بھاگ کر آنند پراپت کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ تو وہی بات ہے کہ آنند سندھو میں تمہارا واس ہے اور تم پیاسے مر رہے ہو۔ کتنے آشچریہ کی بات ہے کہ پانی میں رہتے ہوئے بھی پانی میں بِن پیاسی ہے۔ اگر مچھلی تیرتی ہے تو اُس کے منہ میں پانی نہیں جا سکتا۔ اُس کی بناوٹ ہی ایسی ہے۔ اُس کی پیاس نہیں بجھتی، اسلئے پانی پینے کے لئے باہر اچھلتی ہیں۔ یہی حال ہمارے من اور بدھی کا ہے، جو آنند سندھو میں واس کرنے ہوئے بھی آنند سے ونچت ہے۔ جب باہر مُکھ سے انترمُکھ ہوتی ہے تو اسے آنند کی جھلک دکھائی دیتی ہے اسلئے انتہ کرن کو انترمُکھ کرنے سے ہی پرماتما کے درشن ہوسکتے ہیں۔ اس مہان اُدیش میں سپھلتا ہوتی ہے بھگوان سری کرشن کی الوکک لیلاؤں کو سمجھ لینا آسان نہیں ہے۔ ایک سمے بھگوان گوال بالوں کے ساتھ بن میں بیٹھے بھوجن کر رہے تھے۔ برہما جی انہیں اس طرح گوال بالوں سے بھوجن کرتے دیکھ کر کچھ وسمت سے ہوگئے اور یہی نشچیہ کرلیا کہ یہ بالک کرشن بھگوان کا اوتار نہیں ہوسکتا، اچھا دیکھتے ہیں کہ اس میں شکتی ہے بھی یا نہیں۔ یہ سوچ کر برہما جی نے گوال بالوں کے بچھڑوں کو جو اکٹھے کچھ فاصلہ پر چر رہے تھے، چرالیا اور ایک ستھان میں بند کردیا بھگوان انترجامی ٹھیرے۔ برہما کے اس کوتک کو بھانپ گئے اور بچھڑے دیکھنے کے لئے چلے گئے۔ اُدھر برہما جی نے انکی غیر حاضری میں اُن گوال بالوں کا بھی اپہرن کرلیا، جب بھگوان لوٹے تو گوال بالوں کو نہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ برہما نے ان پر بھی ہاتھ صاف کردیا لیکن اُنہوں نے اسی وقت اپنے آپ کو اُن تمام بچھڑوں اور گوال بالوں کے رُوپ میں تبدیل کردیا، جیسے اُن کے بھِن بھِن رُوپ، سبھاو، وستر، بھوشن آدی تھے ویسے

کے ویسے ہی بنا دیئے۔ کچھ بھی انتر نہ رہا۔ جب وہ گھر لوٹے تو اُن کی مائیں

نے اِن سے پہلے سے بھی ادھک پریم کیا۔ کیوں نہ ہوتا آخر سب کرشن ہی تھے۔ یہ تھی اُس مہان کلاکار کی کاریگری، جب برہما جی نے بھگوان کی یہ رچنا دیکھی۔ تو چکت سا رہ گیا اور گڑگڑا کر اِن سے کشما مانگی۔ اس کے متعلق بالمیک جی لکھتے ہیں کہ جگت تو ناٹک ہے ہم اس کھیل کو دیکھتے ہیں۔ پرنتو اس کا سنچالک کون ہے۔ برہما، وشنو، مہیش بھی آپ کا مرم نہیں جانتے دوسرے کیا جان سکتے ہیں، پرنتو کوئی بھگت جو اُن کے انوراگی ہیں وہ ادشیا اس کھیل رچانے والے کی اصلیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ ایسے کتنے پرانی ہیں جو اُن کے پاس رہتے ہوئے بھی انہیں نہیں پہچان سکتے۔ کس روپ میں انہیں جانا جائے، کبھی آپ شِلا کو استری روپ سے پرگٹ ہو جاتے ہیں، تو کبھی دروپدی کے لئے وستر روپ میں پرگٹ ہو رہے ہیں، پرہلاد کی رکھشا کے لئے آپ نے کھمبے کو پھاڑ کر نرسنگھ روپ دھار لیا، جس کو دیکھ کر لکشمی بھی بھے بھیت ہو گئی۔ آپ کی لیلا آپ ہی جانتے ہیں۔ جب دیوتے بھی اس کا پار نہیں پا سکتے تو معمولی انسان کی تو بات ہی کیا ہے۔ بھگوان کو ساکھشات جاننا معمولی بات نہیں ہے۔ پریم بھگتی کے بغیر کوئی نہیں جان سکتا۔ وہی جگت روپی ناٹک کے سنچالک ہیں، جیسے میگھناد کو کون مار سکتا تھا۔ کیوں بارہ سال برہمچریہ دھارن کرنے اور الپ بھوجن کرنے سے لکشمن میں شکتی آگئی تھی۔ بھگوان رام نے اُسے سوینگ نہیں مارا۔ اُس کے لئے لکشمن کو ہی تیار کیا گیا تھا۔ یہ سارا پربندھ انہی سدرشن چکر چلانے والے کا ہی تھا۔ تبھی تو بھگوان شنکر نے پاربتی جی کو سمجھایا کہ وہ کیسے پرماتما ہیں، اس وقت میں منش کی تیزی دکھلایا

جاتی ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آسکتی، اجی، منشیوں کی تو بات رہنے دیجئے۔ یہاں تو برہما جیسے دیوتا بھی چکر میں پڑ گئے اور بھگوان کرشن کی پریکشا کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ سمجھنے کے لئے کیول انوراگ ہی ایک سادھن ہے۔ انہی سے بھگوان کے ساکھشات درشن ہوتے ہیں اور انہی کے دوارا ہی سب سنشے نورت ہو جاتے ہیں۔

عظمتِ گیتا

از شری ہری رتن ویوگی یکتا

راہ گم گشتہ کو دیتی ہے نشاں
کر دئے اسرار سارے ہی عیاں
کرشن کی گیتا ہے اک فیض رواں

یہ ہمیشہ رہنے والی چیز ہے
آتما تو رہنے والی چیز ہے

مت سمجھ تو اس حقیقت کو عجب
موت اک انسان کو آتی ہے جب
اس کو مل جاتا ہے جسم اک اور تب

دے دیا اُس نے ہمیں درس حسیں
آتما! ارجن کبھی مرتی نہیں

کھول کر بتلائے یہ سب ہی راز
مت اٹھا تو ظالم اور غاصب کے ناز
جیت سے اور ہار سے ہو بے نیاز

بھول جا سب پیار اس میدان میں
پختہ رہ ارجن سدا ایمان میں

گیتا ہی دکھلاتی ہے راہِ نجات
یہ بتا دیتی ہے آسان زِ حیات
اور کچھ رہتا نہیں خوفِ ممات

دیتا ہے قوتِ عمل کی ہے بہ بند
ہے بہت ہی عظمتِ گیتا بلند

ایک تیاگی مسلمان شہزادے کی الوداعی نظم

کشمیر کے ایک بادشاہ بڈشاہ سلطان سکندر کے چھوٹے بھائی کو کسی فقیر کی صحبت میں رہ کر گیان براپتی ہوئی۔ یہ نوجوان شہزادہ دُنیاوی خواہشات سے متنفر ہو کر اور سچا ویراگیہ حاصل کر کے تارک الدنیا ہوا۔ آرام و آسائش کو خیرباد کرتے ہوئے ذیل کی الوداعی نظم میں سنسار کی برائیوں کا نقشہ کھینچا۔ تمام عمر گوشہ نشین بن کر پربھو کی یاد میں مشغول رہا اس کا شاعرانہ تخلص ویس تھا۔

دینا ناتھ وَلی

(۱)

۱۔ عاشقاں ہمتے کہ کردم ساز۔ رخت بربستم از مقام نیاز

۲۔ عارفاں رحمتے ز راہ کرم۔ کہ ندارم بجز شما ہمراز

۳۔ حاضراں التماس تکبیرے۔ کہ رہِ سخت منزل است دراز

۴۔ واصلاں جرعۂ ز عین رضا۔ تا شوم با شما ہمہ دمساز

۵۔ رہ صدق و صفا گرفتم پیش۔ میل مہر و وفا نمودم باز

۶۔ ہمچو شمع ز جمع دلداراں۔ میروم با ہزار سوز و گداز

۷۔ ہر کسیم ہست است دش دلبل۔ ہم ہم آہ و نالہ ام دمساز

۸۔ چونکہ این منزل اقامت نیست۔ گوشیا میکنم ہمیں آواز

۹۔ بعد ازیں ویس ترک گفت و شنود

کنج کوہ و عبادت معبود

(۲)

۱۰۔ منکہ در اصل بودہ ام عنقا۔ قلعہ قاف داشتم ملجا

۱۱۔ ایں زماں من بہ اصل خویش شوم۔ کہ بہ اصل است مرجع اشیاء

۱۲۔ کنج معدن قرارگاہ من است۔ زانکہ کنج است کنج را ماوا

۱۳۔ آمدم بر طریق مہمانے۔ پنج روزے بریں سپنج سرا

۱۴۔ میزبانانِ دہر را دیدم۔ ہر یکے خود بشان اژدہا

۱۵۔ نوش نہ دیدہ غیر نیش بہ کس۔ سبے سم دُل نواز حلوا

۱۶۔ چوں بدیدم براہ معنی نیست۔ با دل خستہ گفتم ای شیدا

۱۷۔ کہ آب حیواں کسی نہ سازم نوش۔ گر بمیرم ز رنج استسقا

۱۸۔ کردہ ام عہد بستہ ام پیماں۔ کہ بہ توفیق ایزد دانا

۱۹۔ بعد ازیں ویس ترک گفت شنود

کنج کوہ و عبادت معبود

۲۰۔ نہ نمودیم عجز خود با کس۔ نہ نشستہ بخواں کس چو مگس

۲۱۔ نہ خیالے بہ کار و بار جہاں۔ نہ خیالے بہ جستجوئے عشقش

۲۲۔ چوں نفس شد مر اخلق زماں۔ بجنبانیم کشادہ اند جرس

۲۳۔ گاہ گلہ گنہ دکنار و دل۔ کہ چہ خوردہ ام چہ بردہ ام از کس

۲۴۔ منکہ شہباز حضرتم ہیہات۔ چند باشم دگر بہ بند قفس

۲۵۔ بگسلم بند و بشکنم زنجیر۔ باز دانم باستانہ فرس

۲۶۔ ہر کسے را بہ گلشنے کارے۔ من و سودائے یار دارم و بس

۲۷۔ بعد ازیں ویس ترک گفت شنود

کنج کوہ و عبادت معبود

ترجمہ

۱۔ (پربھو کے بھگت جنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے) کہ پربھو مجھے ہمت دو۔ میں نے تیاری کی ہے سنسار کی نمرتا کے مقام سے اپنا سامان باندھا ہے؛

(۲) گیانیوں سے خطاب کرتے ہوئے) کہ گیانی ست پرشو مجھے عنایتاً رحمت عطا کرو۔ کیونکہ آپ لوگوں کے بغیر میرا کوئی ہمراز نہیں ہے،

۳۔ (حاضران سے پیار کرتے ہوئے) حاضر پریمیو میں آپ سے دُعا کرنے کا التماس کرتا ہوں۔ کیونکہ راستہ

سخت اور منزل لمبا ہے۔ (۴) خدا رسیدہ آدمیوں سے خطاب کرتے ہوئے) بھگوت پراپتی ہونے والو اپنے پریم اور رضا کا ایک گھونٹ مجھے بھی بخشو۔ تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ ہم خیال اور ہمساز ہو جاؤں۔

۵ سچائی اور صفائی کا راستہ سامنے رکھ کر خواہش محبت و وفا کو اپنا مقصد بنایا (۶) میں اپنے تمام ہم صحبتوں سے شمع کی طرح ہزاروں قسم کی تڑپ لے کر جا رہا ہوں (۷) میرے سواری کا گھوڑا میری ہمت اور جانے کی وجہ (دلیل) پربھو کا پریم ہے میرے راستے کے ساتھی میرے آہ و نالہ ہا تشفی دینے والے ہیں۔ (۸) چونکہ یہاں یہ پائیداری کا مقام نہیں ہے۔ اس لئے جاتے جاتے یہی آواز نکال رہا ہوں۔

(۹) کہ اب دیس کہنا اور سننا ترک کرتا ہے کوہ کے کونے میں بیٹھ کر پربھو کی یاد کرے گا

۱۰۔ میں جو اصل میں ایک غیر مشہور عنقا تھا۔ قلعہ کوہ قاف[۲] میں میری سکونت تھی۔ (۱۱) اس سمے میں اپنے اصل کے طرف جا رہا ہوں، کیونکہ ہر ایک چیز کا رجوع اپنے اصل کی طرف رہتا ہے (۱۲) وحدت کا کونہ میرے لئے قرار گاہ (شانتی دائیک) ہے۔ یہی کونہ سب جگہوں کا منبع ہے (۱۳) ایک مہمان کے طرح پانچ دن کے لئے میں سنسار (سرائے زیر آسمان) میں آیا۔ (۱۴) دنیا کے بیربان میں نے دیکھ لئے ہیں۔ ہر ایک شخص اژدہا سانپ کے طرح اپنے نشان میں ہے، (۱۵) ڈنگ کے بغیر کسی کو مٹھاس نہیں دیتے اور حلوا کا ایک نوالہ بھی زہر کے بغیر نہیں دیتے۔ (۱۶) سنسار کا ایسا دیوہار (خود غرضی) دیکھنے پر میں نے اپنے خستہ دل سے کہا کہ اے شیدا (۱۷) میں نے عہد کیا ہے۔ اور یقین رکھا ہے کہ پرماتما شرو شکتیمان کے توفیق اور کرپا سے۔

(۱۹) اب دیس کہنا اور سننا ترک کرتا ہے کوہ کے کونے میں بیٹھ کر پربھو کی یاد کریگا

۲۰۔ میں نے کسی کے پاس اپنی عاجزی کا اظہار نہیں کیا۔ کسی کے دستر خوان پر مکھی کی طرح نہیں بیٹھا، (۲۱) دنیا کے کاروبار کا میں نے کوئی خیال نہیں کیا۔ نہ ہی شہد حاصل کرنے کا جستجو کیا (۲۲) جب مجھے یقین ہوا۔ کہ سنسار کی خلقت نے میرے ساتھ ظلم کرنے کا ڈھنڈورا پیٹا ہے، (۲۳) کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے۔ کہ میں نے کسی کا کیا کھایا ہے۔ کسی سے کیا لیا ہے۔ (۲۴) افسوس ہے۔ کہ میں پربھو کی درگاہ سے آیا ہوا شہباز کتنے دیر پنجرے کی قید میں ہوں

۲۵۔ قفس کو توڑ کر زنجیر (بیڑی) کو کاٹ کر پھر اسی آستانہ کی طرف قدم بڑھاؤں گا۔ جہاں سے کہ آیا ہوں۔

۲۶۔ ہر کسی کو اپنے ساتھ کام بناتے۔ میں اور پربھو کا پریم میرے لئے کافی ہے۔

۲۷۔ اب دیس کہنا اور سننا ترک کرتا ہے کوہ کے کونے میں بیٹھ کر پربھو کی یاد کرے گا

عقل اور عشق

عقل کہے تو دانا ہو ۔ عشق کہے دیوانا ہو
عقل کہے تو محل بنا ۔ عشق کہے تو محل ڈھا
عقل کہے تو پرہیزگار ۔ عشق کہے تو کر دیدار
عقل کہے تو باغ لگا ۔ عشق کہے تو دودھ پیا

عقل کہے تم جوڑو لاکھ ۔ عشق کہے کوڑی مت راکھ
عقل کہے تو پہن پوشاک ۔ عشق کہے تو ڈال سر خاک
عقل کہے تو جگ پر بودھ ۔ عشق کہے تو آپا سودھ
کہت کبیر سنو بھائی سادھو ۔ اب تم کیسی لائی پواد

کرمیتی بائی

سب جن مِل ہری نام دھیاؤ۔ بیت گئی پر دھیان نہ لاؤ

جن کا من اُس نند نندن شیام مدن موہن کی مادھوری چھبی پر موہت ہو جاتا ہے، اُسے جگت کے سارے رُوپ جگت کے سارے سُکھ پھیکے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ اُن میں بھی سنسار کا جو سُکھ اِس پریتم سے الگ کرانے والا ہوتا ہے۔ وہ تو وِشے وَت ہی پرتیت ہوتا ہے۔ سنسار کے وِشے یدی بھگوت پریم میں سہائک ہو کر رہیں۔ پیارے شیام کی پوجا سامگری ہو کر رہیں تو ادشیہ رہیں اُن کے رہنے میں پرم سُکھ ہے کیونکہ اُن سے پریتم کے پدکملوں کی پُوجا سمپن ہوتی ہے۔ پرنتو جو وِشیہ پریتم کے پریم میں بادھک ہوں۔ اُن کا تو نہ رہنا ہی اچھا ہے۔ اسی سے بھکت گن یا تو سارے سنسار کو بھگوت پوجا کی سامگری کے رُوپ میں رکھتے ہیں یا اُسے دور دھی اندُٹو کر اُس کا سَروتھا تیاگ کر دیتے ہیں، وِشیوں کی آسکتی کا پری تیاگ تو دونوں کو ہی کرنا پڑتا ہے۔ کہیں وِشے رہتے بھی ہیں۔ تو وہ بھوگ سامگری کے رُوپ میں نہیں رہتے۔ بھکت جب سو تم اپنے آپ کو پربھو کے چرنوں میں سمرپن کر دیتا ہے۔ تب اُس کی اپنی کوئی بھوگیہ وستو تو رہ ہی کہاں جاتی ہے؟ وہ بھی پیارے کا اور اُس کی ساری چیزیں بھی پیارے کی۔

ادشیہ ہی جو چیز پیارے کی بن کر رہنا نہیں چاہتی یا جس کے کارن پیارے کے پرتی آتم سمرپن کرنے میں بادھا ہوتی ہے وہ وستو سَروتھا چھوڑ دینے یوگیہ سمجھی جاتی ہے۔ ہماری کرمیتی بائی نے بھی یہی سمجھ کر پِتا اور پتی گرہ کو تیاگ کر برنداون کی یاترا کی تھی۔

جے پور کے انترگت کھنڈیلا نامک ایک ستھان ہے وہاں شیکھاوت سردار راجیہ کرتے تھے۔ پنڈت پرشورام جی کھنڈیلا راجیہ کے کُل پروہت تھے۔ کرمیتی بائی اِنہی بھاگیہ شالی پرشوتم رام جی کی سدگُن وتی پُتری تھی۔ پُورو سنسکار وِش لڑکپن سے ہی کرمیتی کا من شیام سُندر میں لگا ہوا تھا۔ وہ ہر سمیہ شری کرشن کے نام کا جاپ کیا کرتی اور ایکانت ستھل میں شری کرشن کا دھیان کرتی ہوئی "ہا ناتھ! ہا ناتھ!!" پکارا کرتی۔ دھیان میں اُس کے نینوں سے آنسوؤں کی دھارا بہنے لگتی بستر پر پلکاولی چھا جاتی۔ پریم آویش میں کبھی کبھی ہنستی، کبھی روتی اور کبھی اُونچی آواز سے کیرتن کرنے لگتی۔

ننھی سی بالکا سرل بھگوت پریم دیکھ کر گھر کے اور آس پاس کے سبھی لوگ پرسن ہوتے۔ ہوتے ہوتے کرمیتی کی عمر وواہ کے یوگیہ ہو گئی۔ ماتا پِتا سیوگیہ ور کی کھوج کرنے لگے۔ پرنتو کرمیتی کو وِواہ کی چرچا نہیں سُہاتی۔ وہ لجا وش ماتا پِتا کے سامنے کچھ بولتی تو نہیں۔ پرنتو وِشیوں کی باتیں اُسے وِش کے سمان پرتیت ہوتیں اچھا نہ ہونے پر بھی پِتا کی اِچھا سے اس کا وِواہ ہو گیا۔ پرنتو وہ تو اپنے آپ کو وِواہ سے پہلے ہی نہیں بلکہ پُورو جنم میں ہی بھگوان کے ارپن کر چکی تھی۔ بھگوان کی وستو پر کسی دوسرے کا ادھیکار ہوتا وہ کیسے سہن کر سکتی تھی۔ وہ تو اِس سنسار کے پرے دِویہ پریم راجیہ کے ادھیشور نِتیہ نوین چِر کمار سوندریہ کی راشی شیام مدن سچدانند کو دن کو دن رات اُنہی کا چنتن کیا کرتی تھی۔ کچھ دن تو یوں ہی گذر گئے۔ پرنتو ایک دن سُسرال والے اُسے لینے آ گئے۔ اُسے پتہ لگا کہ وہ جس گھر میں بیاہی گئی ہے۔ وہاں کے لوگ بھگوان کو نہیں مانتے وہ وِشنوؤں اور سنتوں کے وِرودھی ہیں۔ وہاں اُسے اپنے پیارے ٹھاکر جی کی سیوا

کا بھی ادھر نہیں ملے گا اور اپنے شریر، من کو بھی وشیہ بیواؤں میں لگانا پڑے گا۔ یہ سب سوچ وچار کر وہ بیاکل ہو اٹھی۔ من ہی من میں بھگوان کا سمرن کرنے لگی۔ اُس نے کہا ناتھ! اس مصیبت سے تم ہی بچاؤ۔ کیا یہ تمہاری داسی آج زبردستی وشیوں کی داسی بنائی جائے گی؟ کیا تم اسے ایسا کوئی اُپائے نہیں بتلاؤ گے؟ جس سے یہ تمہارے دھام میں پہنچ کر وہاں کی پوتر دھولی کو اپنے مستک پر دھارن کر سکے۔

گھر میں ماتا پتا بیٹی کو سسرال بھیجنے کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ ادھر کرمیتی دوسری ہی دھن میں مست ہے رات کو تھک کر سب سو گئے۔ پرنتو کرمیتی تو بھگوان سے پرارتھنا کر رہی ہے۔ ایک سمات اُس کے من میں سپھرن ہوئی کہ جگت کی اس وشیہ واسنا میں جو منشیہ کو سدا کے لئے پیارے بھگوان سے وِمکھ کر دیتی ہے لپٹنا مہا شردتھا خود رکھتا ہے اس لئے کچھ بھی ہو، وشیوں کا تیاگ ہی میرے لئے سُردتھا اچھا ہے۔ ایسا وچار کر آدھی رات کے سمیہ اندھکار اور سناٹے کو چیرتی ہوئی کرمیتی نربھے چیت سے اکیلی ہی گھر سے نکل گئی۔ جو اُس پران پیارے کے ایسے متوالے ہو کر نکلتے ہیں، انہیں کسی کا بھی بھے نہیں ہوتا، آج سے پہلے کرمیتی کبھی بھی گھر سے اکیلی نہیں نکلی تھی۔ پرنتو آج آدھی رات کے بھیانک سمیہ میں وہ نربھے ہو کر دوڑ رہی ہے۔ کوئی ساتھ نہیں ہے۔ ساتھ ہیں بھکتوں کے جیون سکھا سچدانند بھگوان شیام سندر جن کا ایک ہی کام شرناگت آشرت بھکتوں کے ساتھ رہ کر اُن کی رکشا کرنا ہے۔ بھگوت پریم میں متوالی کرمیتی اندھکار کو بھیدن کرتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ رات بھر میں کتنی دور نکل گئی کچھ پتہ نہیں۔ پراتہ کال ہو گیا۔ لیکن وہ تو نیند بھوک کو بھلا کر اُسی پرکار دوڑی جا رہی ہے۔

ادھر سویرا ہوتے ہی کرمیتی کی ماتا نے اپنی بیٹی کو گھر میں نہیں پایا تو روتی ہوئی اپنے پتی پرشورام کے پاس جا کر اُس کو یہ دکھ بھرا سماچار سنایا۔ پرشورام جی کو بڑا دکھ ہوا۔ ایک تو بیٹی کا سنیہہ اور دوسرے لوک نندا کا ڈر۔ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ میری بیٹی وشیہ وبراگ اور بھگوت انوراگ کے کارن ہی کہیں چلی گئی ہے۔ تھاپی گاؤں کے لوگ تو معلوم کیا کیا کہیں گے۔ میری سنتہ وتی پتری پر دیرگھ کلنک لگے گا۔

ان وچاروں سے وہ بہت دکھی ہو کر اپنے کھیان راجہ کے پاس گیا۔ راجہ نے پروہت کے دکھ میں سہانو بھوتی پرگٹ کرتے ہوئے چاروں اور سوار دوڑائے۔ دو گھوڑ سوار اُس راستے پر بھی گئے۔ جس راستہ سے کرمیتی جا رہی تھی۔ دور سے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ تب کرمیتی کو سندیہہ ہوا۔ کہ ہو نہ ہو سوار میرے ہی پیچھے آ رہے ہیں۔ پرنتو وہ چھپتی کہاں؟ نہ کسی پہاڑ کی کندرا اور نہ کسی برکش کا ہی کوئی نام نشان تھا۔ ریگستان کا ہی کھلا میدان تھا۔ پاس ہی ایک مرا ہوا اونٹ نظر پڑا۔ گدھوں اور کوّوں نے اُس کے پیٹ کو پھاڑ کر ماس نکال لیا تھا اور پیٹ ایک کھوہ کی طرح بن گیا تھا۔ کرمیتی جھٹ اُسی سڑی دُرگندھ سے پورن اونٹ کی کنکال میں جا چھپی۔ اور سواروں نے اُس طرف دیکھا ہی نہیں۔ زیادہ بدبو کے مارے وہ تو وہاں ٹھہر ہی نہ سکے۔ کرمیتی کے لئے تو وشیوں کی دُرگندھ اتنی ناقابل برداشت ہو گئی تھی کہ اُس نے اس دُرگندھ سے بچنے کے لئے اس بدبو کو بہت اچھا سمجھا۔ پریم پاگلنی بھکت بالکا کے اپنے بھگوت کرپا سے دُرگندھ یہاں سُگندھ کے روپ میں ہی بدل گئی جس کی کرپا سے اگنی شیتل اور زہر امرت بن گیا تھا۔ اُس کی کرپا سے دُرگندھ کا سُگندھ بن جانا کوئی بات نہ تھی۔ تین دن تک کرمیتی اونٹ کے پیٹ میں پیارے شیام کے دھیان میں پڑی رہی۔ چوتھے دن وہاں سے نکلی۔ تھوڑی دور آگے جانے پر ساتھ مل گیا۔ کرمیتی نے پہلے ہردوار پہنچ کر بھاگیرتھی میں سنان کیا۔ پھر چلتے چلتے وہ سانورے کی لیلا بھومی برنداون میں

جا پہنچی۔ اُس زمانے میں برندابن کیول سچّے ویراگی ویشنو سادھوؤں کا ہی کیندر تھا۔ وہاں چاروں اور کے متوالے بھگوت پریمیوں کا ہی جمگھٹ رہتا تھا۔ اسی لئے وہ پرم پوتر تھا اور اسی لئے بھکتوں کی درشٹی اُس کی اور لگی رہتی تھی۔

برندابن پہنچ کر کرمیتی مانو آنند ساگر میں ڈوب گئی۔ وہ جنگل میں برہم کنڈ پر رہنے لگی۔ پریم سندھو کی مریادا ٹوٹ جانے سے اُس کا جیون نیتر اپار پریم دھارائیں بہنے لگا۔ اُدھر پرشورام کو جب کہیں پتہ نہ لگا۔ تو وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے برندابن پہنچا۔ برندابن میں بھی کرمیتی کا پتہ کیسے لگتا۔ جگت کے سامنے اپنی بھکتی کا سوانگ دکھانے والی وہ کوئی نامی گرامی بھکت تو تھی ہی نہیں۔ وہ تو اپنے پریتم کے پریم میں ڈوبی ہوئی ایک جنگل میں پڑی رہتی تھی۔ ایک دن پرشورام نے برکش پر چڑھ کر دیکھا تو برہم کنڈ پر ایک ویراگنی دکھائی دی۔ وہ فوراً اُتر کر دوڑا دوڑا وہاں گیا۔ جا کر دیکھتا ہے کہ کرمیتی سادھو ویش میں پربھو کا دھیان لگائے بیٹھی ہے۔ اُس کے مکھ پر بھجن کا نرمل شتیل تیج چھٹک رہا ہے۔ آنکھوں سے پریم کے آنسوؤں کی دھارا بہہ رہی ہے۔ پرشورام پتری کی یہ دشا دیکھ کر مہا ہرش میں ڈوب گیا۔ وہ اپنے کو ایسی بھکتی متی دیوی کا پتا سمجھ کر دھنیہ مان رہا تھا۔

پرشورام کو وہاں بیٹھے کئی گھنٹے ہو گئے۔ پر کرمیتی نہیں جاگی۔ آخر پرشورام نے اُسے ہلا کر ہوش کرایا اور بہت ونیہ کے ساتھ گھر چل کر بھجن کرنے کو کہا۔

کرمیتی نے کہا "پتاجی! یہاں آکر کون واپس گیا ہے۔ پھر میں تو اُس پریم مے کے پریم ساگر میں ڈوب کر اپنے کو کھو چکی ہوں۔ جیتی ہوئی مر چکی ہوں۔ یہ مردہ اب یہاں سے کیسے اُٹھے؟ آپ گھر جا کر میری ماتا سہت شری کرشن بھگوان کا بھجن کرو۔ اُس کے سمان سُکھ کا ساج ترلوکی میں کہیں دوسرا نہیں ہے۔"

بھگوان کے گُن گاتے گاتے کرمیتی مورچھت ہو گئی۔ برہمن پرشورام نے اپنے سنساری جیون کو دھکار دیتے ہوئے اُسے جگایا اور شری کرشن بھجن کی پرتگیا کر کے پریم میں روتا ہوا وہاں سے گھر لوٹا۔ گھر پہنچ کر اُس نے اپنی استری کو پتری کا سماچار سُنا کر کہا کہ "برہمنی! تو دھنیہ ہے جو تیرے پیٹ سے ایسی سنتان پیدا ہوئی۔ آج ہمارا کل پوتر اور دھنیہ ہو گیا۔"

راجہ نے جب یہ سماچار سُنا تو وہ بھی کرمیتی کے درشن کے لئے برندابن چل دیا اور برندابن پہنچ کر کرمیتی کی بڑی ہی پریم مئی اوستھا میں دیکھی اور راجہ کا مستک بھکتی بھاو سے اُس کے چرنوں میں آپ ہی جھک گیا۔ راجہ نے اُس سے کُٹیا بنا دینے کے لئے بڑی پرارتھنا کی۔ پرنتو کرمیتی انکار کرتی رہی۔ انت میں راجہ کے بہت ہی اصرار کرنے پر کرمیتی کو کُٹیا بنا دی گئی ؂

بندرابن کے کرشن کنھیا

از شری ساجن بھارتی

تمرے بنا لے کون خبریا بندرابن کے کرشن کنھیا؟
موکو بلا لو اپنی نگریا۔ بالم مورے مورے سنوریا

رس اور مدھ کا مینہ برساؤ۔ پیت کی من میں جوت جگاؤ
"آشا نگری" موری بساؤ۔ اور موری بھی ایک نجریا

یاد میں تمری تڑپت منواہ۔ ناہیں آوت بندن چینا ں
نیر بہاوت دکھیا نیناں، جیسے برسے کالی بدریا

ساون آیا، تم نہیں آئے، سیج اکیلی کاٹنے کھائے!
برہ اگنی من کو جلائے۔ تم بن تڑپوں جیسے مچھریا

یاد تمہاری کیسے بھلاؤں۔ تم بن کیسے مہندی رچاؤں
جھولوں کیسے ساون گاؤں۔ چوڑیاں توڑوں پھوڑوں گگریا

یاد جو تمری آوت سیاں۔ برپا ہووت من میں طوفاں!
تمرے واری، تمرے قرباں، میری طرف بھی ایک نجریا

بیکس، بے بس، دکھیا، نربل، ہجر میں ساجن تمرے بیکل
غم کے چھائے من پہ بادل۔ نین تکت ہیں تمری ڈگریا

ایک بار دیکھا ہے دوبارہ دیکھنے کی آرزو ہے

از شری اندر جیت چاولہ مغموم

اِک رِندِ بلانوش طلبگارِ نشاط
دلدادۂ عشرت وہ خریدارِ نشاط
گو مدتوں وہ کوہ و بیاباں میں پھرا
منزل ہی ملی اور نہ منزل کا پتا
ہر لمحہ وہ مایوس ہُوا جاتا تھا
لیکن کوئی تدبیر نہ کر پاتا تھا
ناگاہ مقدر نے جو پلٹا کھایا
تھی جسکی تلاش اُسکو بالآخر پایا
درویش، ولی صورت و دانا عاقل
اِک تارکِ دُنیا کہ بزرگِ کامل
دُنیا سے نہ تھا کوئی علاقہ جس کو
تھے ایک سے نعمت ہے کہ فاقہ جسکو
خاکی تھا سرِ عرش گذر رکھتا تھا
حق بیں تھا وہ حق پر ہی نظر رکھتا تھا
دیکھا رُخِ پُرنور تو بولا بابا!
تسلیم کرتے ہو نظر مردِ خدا
تھی ایک زمانے سے تمہاری ہی تلاش
چھانے ہیں تمہارے لئے دھرتی آکاش
قسمت نے کیا رحم کرم فرمایا
خود چل کے کنواں پیاسے کے پاس آج آیا
درویش ہو تم نے تو خدا دیکھا ہے
تنہا اُسے دیکھا ہے تو کیا دیکھا ہے
واجب ہے کہ ہم کو بھی دکھا دے سالک
احسان ہے بندے سے ملا دے مالک
بولا کہ خدا تجھ کو دکھا سکتا ہوں
پردہ تیری آنکھوں سے ہٹا سکتا ہوں
ہر ذرے کو خورشید بنا سکتا ہوں لیکن خاکی کو میں خالق سے ملا سکتا ہوں

ہاں اتنا بتا بندۂ مستانہ مجھے
خالق سے ابھی گرچہ ملا دوں میں تجھے
وہ سامنے آئیگا تو کیا مانگے گا؟
وہ جلوہ دکھائے گا تو کیا مانگے گا؟
مت پوچھئے میں مانگونگا کیا خالق سے
میں کیا نہیں مانگونگا بھلا مالک سے
راحت ہو کہ دولت کہ حکومت ہو نشے
ہو شان کہ شوکت کہ فراغت ہو نشے
مجھ کو طلبِ مرتبہ و جاہ بھی ہے
کچھ حرصِ حشم حُسن کی کچھ چاہ بھی ہے
اُس بندے کا جب حرص میں جکڑا پایا
درویش کے ہونٹوں پہ تبسم آیا
آنکھوں کو کیا بند تو یوں فرمایا
لے بندے سنبھل نورِ خدا وہ آیا
حیرت سے کی اُس شخص نے ہر سمت نگاہ
وہ نور کا عالم تھا کہ اللہ کی پناہ
نظارۂ معبود میں اب کھویا
لب تک نہ ہلے ایسا وہ مسحور ہوا
کچھ دیر رہا اُس پہ یہ عالم طاری
ہوش آیا تو جلوہ تھا نہ خالق باری
درویش کو پھر سامنے بیٹھا پایا
اُس نے لب اعجاز سے یوں فرمایا
اے بندے بتا کچھ تو مجھے کیا مانگا؟
جو کچھ کہ مجھے تو نے کہا تھا، مانگا؟
سُنتے ہی لگے آنکھ سے آنسو بہنے
پاؤں میں گرا اور لگا یوں کہنے
واللہ نہیں کوئی بھی حاجت مجھکو۔ دوبارہ نظارے کی چاہت مجھکو

شیطان کا تاسف

از

لالہ کانشی رام جی چاولہ

(مسلسل) (باب ہفتم)

پس منظر:۔ برطانیہ کے ایک غریب گھرانے میں پیدا شدہ جافری ٹمپیسٹ نامی آدمی نے بڑی مشکلات کے اندر اپنی تعلیم حاصل کی تھی اور پھر لڑائی ننگ دور کے بعد ایک عارضی ملازمت ہاتھ آئی تھی۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک نہ رہنے پائی اس کے بعد فاقوں کی نوبت آئی۔ انہیں اثنا اسے اپنے ایک لاوارث رشتہ دار کا بھاری ورثہ ملنے کی خبر آئی۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک قدیمی دوست کے طفیل اسے ایک شخص سے تعارف ہوا جو بے انداز دولت کا مالک تھا وہ اسے اپنے ساتھ ایک بڑے ہوٹل میں لے گیا جہاں اس نے بہت سے کرے لے رکھے تھے وہیں اسے اعلیٰ قسم کا کھانا کھلایا۔ اب آگے پڑھئے۔

اس پُر تکلف دعوت سے فارغ ہو کر میرا میزبان دوست اور میں بات چیت میں مشغول ہو گئے دوران گفتگو میرے دوست نے سوال کیا اب مال و زر پانے پر بھی تم اپنا ادبی مذاق جاری رکھو گے۔ میں نے کہا کہ ضرور اور بلکہ روپے کی مدد سے میں اپنی ادبی اہلیت کی شہرت کو چار دانگ پھیلاؤں گا۔ یہ سنکر وہ دوست بولا کہ جیب پُر ہو جاتا ہے تو دماغی نقصان واقع ہو جاتا ہے۔ اپنے یہ دوست کے یہ الفاظ مجھے پسند نہ آئے اور میں نے قدرے تمکنت سے کہا کہ کیا آپ میرے دماغ کو کھوکھلا تصور کرتے ہیں۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ یہ بات اصُولی طور پر کہی گئی ہے خصوصیت سے تمہاری ذات کے متعلق نہیں کہی گئی۔ مطلب یہ کہ جب انسان زردار ہو جاتے تو اس کے خیالات میں عام طور پر ادبی بلندی برقرار نہیں رہ سکتی۔ روپیہ خیالات کی بلند پروازی میں حائل ہو جاتا ہے۔ جتنے اعلیٰ پایہ کے ادیب ہوئے ہیں وہ کبھی زردار نہ تھے۔ جب دھن آ جاتا ہے تو توجہ من سے ہٹ کر تن کی طرف لگ جاتی ہے۔ زر کو انسان کو خر بنا دیتا ہے۔ زردار کو خرمستیاں ہی سوجھتی ہیں۔ زر کے پیچھے پیچھے شر آوارد ہوتا ہے۔ دماغ میں تو آمد اوپر سے ہوتی ہے۔ لیکن روپیہ نچلی سطح سے آتا ہے اس لئے

ان دونوں کا میل نہیں ہے میرے دوست نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں نہیں کہتا کہ اس وقت تمہارے دماغ کا نقصان ہے لیکن میرا خیال ہے کہ جب لکشمی دیوی کا سایہ تم پر غالب آ جائے گا تو اس روپیہ کی جھنکار تمہارے دماغی عطر کو خشک کر دیگی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب دولت کے نشے کی مستی چڑھ جاتی ہے تو وہاں سے بھگوان رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور شیطان اپنا اڈا جما لیتا ہے۔ یہ کہاوت تو تم نے سنی ہی ہوگی۔

میں نے کہا میں نے یہ ضرب المثل نہیں سُنی۔ تب میرا دوست مسکراتا ہوا بولا کہ یہ کہاوت تو پرانے زمانہ سے ہے تو بے معنی کیونکہ اس زمانہ کے لوگ نہ تو بھگوان کے ہی قائل ہیں۔ اور نہ شیطان کی ہی پرواہ کرتے ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جس نے کوئی اوپر اٹھنے کا امتیازی راستہ اختیار کرنا ہو اسے پستی میں لے جانے والی دولت کی کشش و محبت نہ ہونا چاہیئے۔ جو پرندہ اڑنا چاہتا ہے اسے اپنے پر آزاد رکھنے ہوں گے۔ اسی طرح بلند پروازی کے طلبگار انسان کو بھی اپنے آپ کو سنہری روپہری زنجیروں سے آزاد رکھنا ہوگا۔

میں نے اپنے دوست کے یہ خیالات کچھ حیرت سے سنے اور کہا کہ میں تو نہیں سمجھتا کہ دولت انسان کی ترقی

میں رکاوٹ ڈالتی ہے بلکہ دولت تو وہ شے ہے جو اس کی پرواز کی طاقت کو بڑھاتی ہے اور اسے بلند ترین منازل پر پہنچنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

میری یہ بات سُنکر میرا دوست بول اُٹھا کیا تم واقعی اس خیال کے حامی ہو۔ اگر یہ بات ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ تم قانونِ فطرت سے بے خبر ہو۔ میرے دوست سنو جو پستی کی شے ہے اس کا رحجان تو پستی کی جانب ہی ہوگا۔ زر و مال زمین سے نکلتا ہے۔ اس لئے اس کی اپنی رغبت بھی نشیب کی طرف ہی ہوتی ہے۔ جس کے پاس ہو اس کو بھی پستی کی طرف ہی دھکیلتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس بلند خیالی بلند پروازی کہیں نیچے سے نہیں آتی یہ بلند طبقات سے آتی ہے اور بلندی کی طرف خود بھی اُٹھتی ہے اور اپنے آقا کو بھی اونچا ہی اُٹھاتی ہے۔ اس لئے صاحبِ مال لوگ پستی کی طرف چلتے ہیں اور صاحبِ خیال لوگ بلندی کی طرف پرواز کرتے ہیں۔

اپنے دوست کی یہ فلسفانہ تقریر سُنکر میں ہنس پڑا اور میں نے کہا کہ آپ خود بھی تو اس بے پناہ دولت کے مالک ہیں تو کیا آپ کو ایسا امیر کبیر ہونے کا افسوس ہے؟

تب میرے دوست نے کہا نہیں مجھے افسوس تو نہیں ہے کیونکہ افسوس کرنے کا کچھ فائدہ نہیں لیکن میں نے یہ اصول بیان کر کے ایک حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ دولت اور بلند خیالی میں بعد المشرقین ہے۔ بعد تیجہ کی دُوری ہے۔ اچھا دیکھو کوئی زمانہ تھا کہ میں ہر ادبِ اوصافِ حمیدہ کا حامل تھا۔ لیکن اب ..... اپنے دوست کے اس سلسلہ کلام کو کاٹتے ہوئے میں نے کہا کہ اب بھی تو آپ میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں۔ کہیں چلی تو نہیں گئیں میری یہ بات سنکر میرے دوست کے چہرے پر اسی قسم کی حیرت افزا مسکراہٹ آئی۔ جو میں نے پہلے ایک دو موقعوں پر دیکھی تھی اور وہ کہنے لگا کہ پیارے تم مجھے بنا رہے ہو! کیا تمہارے ذہن میں میرے خوبصورت خال کی موزونیت اثر

پذیر ہے کیفیت کا ٹھیک ٹھیک اظہار کرتا ہے لیکن* عہدِ جوانی سے اسی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ پورا بہروپیہ بن جاتا ہے۔ انسان اس فن میں ماہر ہے وہ اپنے اس چمڑے کی دیوار پر ایسا رنگ و روغن جماتا ہے کہ اندرونی حالت کی ایک جھلک بھی باہر نہیں نکلنے دیتا اور اس ڈھونگ بازی کرنے میں بڑا فخر مانتا ہے۔ لیکن جب وہ بعض اوقات خلوت میں بیٹھ کر اپنی حالت پر نظر ڈالتا ہے تو اُسے بڑی ندامت اور پشیمانی محسوس ہوتی ہے اور بلکہ اپنے اعمال قبیحہ کو سامنے لا کر بڑا خوفزدہ ہو جاتا ہے لیکن پھر پستی کی غار میں لے جانے والی دولت اس کے دماغی توازن کو خراب کر دیتی ہے اور عیش و عشرت کے سامان مہیا کر کے اس کی عقل و دانش پر سیاہ پردہ ڈال دیتی ہے۔ بس پیارے! سمجھ لو میری عین یہی حالت ہے۔ کیا تم میری اس بات کا باور کرتے ہو؟

میں نے جلدی سے جواب دیا۔ میں تو ہرگز نہیں مانتا آپ یہ باتیں کہہ کر تو خود اپنی ہی تردید کر رہے ہیں اور اپنی فطرت کے ساتھ بے انصافی کر رہے ہیں۔ میری یہ بات سُنکر میرے دوست کے چہرہ پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی اور وہ کہنے لگا شاید آپ کا خیال درُست ہی ہو۔ لیکن یہ بات یقینی جانو کہ میں عام آدمیوں سے بہتر شخصیت کا نہیں ہوں۔ خیر اب ہم اس بحث کو چھوڑ کر اصل بات پر آئیں۔ تم نے کہا تھا کہ تم نے ایک کتاب لکھی ہوئی ہے اب اسے چھپا ڈالو اور دیکھو اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ غالباً آپ کی کتاب ایک عشقیہ قسم کی کہانی ہوگی۔ میں نے کہا نہیں وہ ایسی فضول چیز نہیں ہے۔ وہ ایک ناول ہے لیکن اس کا نفس مضمون نہایت بلند اخلاقی پایہ کا ہے جس میں زندگی کے اعلیٰ ترین مقاصد کی وضاحت کی گئی ہے۔ میں نے اسے اس خیال سے لکھا ہے کہ اس کے پڑھنے والوں کے خیالات میں بلندی اور پاکیزگی آ جائے۔ اور میری تمنا یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے انسان کسی صورت میں بھی رنجیدہ یا کبیدہ خاطر

نمونہ

* عہدِ طفل گذر جانے کے بعد انسان اپنی اندرونی حالت کو چھپا [illegible] کر دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ

میری یہ بات سنکر میرا دوست قدرے ہمدردانہ انداز سے مسکرایا اور بول اٹھا ارے دوست اس غلط فہمی میں نہ رہو وہ زمانے گئے کہ جب نیک مطالعے سے لوگ نیک دل بنتے تھے اور اچھی کتابوں کی تلاش میں رہتے تھے اب تو اگر تم اپنی کتاب کی بکری کے متمنی ہو تو کتاب چھپنے کے بعد تبصرہ کرنے والوں کو ایک پر تکلف دعوت دو۔ ان کی جی بھر کر خاطر مدارات ان کی خواہش کے مطابق کرو۔ بس وہ تمہاری کتاب کے تبصرے بڑے دلکش پیرایہ میں نکالیں گے اور تمہاری کتاب دھڑا دھڑ فروخت ہونے لگے گی۔ ان لوگوں کی پھر بھی خوشامد اور خاطر تواضع کرتے رہو تاکہ وہ کتاب کی ثنا خوانی متواتر جاری رکھیں۔ اگر ایسا نہیں کروگے تو ہرگز کوئی توقع نہ رکھو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کتاب اپنی ذاتی خوبی پر فروخت ہو تو اس قسم کی فحش اور لغو کہانی لکھو کہ جس کو پڑھنے کے لئے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں دن کو بغل میں اور رات کو سرہانے تلے دبائے رکھیں۔ ایسی جنسیات کو بھڑکانے اور تسکین دینے والی جنسی باتیں ممکن ہوں بھر ڈالو۔ عیش و عشرت مناتے ہوئے مانع حمل ڈھنگ کے دلپذیر طریقے لکھو۔ غرضیکہ اس میں یہ دکھاؤ کہ آدمی کا درجہ حیوانات سے بہتر نہیں ہے اور جنسی لطف سے بڑھ کر کوئی مزا نہیں ہے۔ ایسا اگر کروگے تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ تبصرہ کرنے والے تمہاری قابلیت کے سہرے لکھیں گے اور کم سن نوخیز لڑکیاں تمہاری کتاب کا ایک ایک لفظ اپنے دل و دماغ میں سجھائیں گی، اور تمہارے گن گائیں گی۔ لیکن اگر تم کوئی گیان دھیان کی یا اخلاقی پند و نصائح کی کتاب لکھو گے تو شاید چند یا گوروپڑھے اسے خرید لیں گے اسے خرید لیں گے ورنہ وہ الماریوں میں پڑی دیمک کی خوراک بنیں گی۔

یہ باتیں کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی روشنی ظاہر ہوئی جسے دیکھ کر میں قدرے چکرا گیا اور اس کی باتوں کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مجھے مخاطب کرکے کہا تمہیں کس نے شوق دیا تھا کہ زندگی کے اعلیٰ مقاصد بیان کرنے والی کتاب لکھو۔ آج کے زمانہ میں زندگی کی کوئی بلند اغراض نہیں ہیں۔ بس آج کل تو سودا بازی ہے۔ انسان پست بن چکا ہے اور اس کے مقاصد بھی ذلیل اور پست ہیں۔ اگر اعلیٰ مقاصد کے طلبگار ہو تو کسی دوسری دنیا میں ڈھونڈو اس دھرتی کے علاوہ بہتر اور دنیا میں پھر ایک اور بات فراموش نہ کرو۔ فی زمانہ لوگ جو ناول دل بہلانے کے لئے پڑھتے ہیں وہ اپنے خیالات کو نیک اور اعلیٰ بنانے کیلئے نہیں پڑھتے۔ وہ تو کئی مجبوریوں کے باعث یا دکھاوے کے لئے پڑھتے ہیں بلکہ دھرم ستھانوں میں بھی جاتے ہیں۔ تو وہاں بھی تنگ آجاتے ہیں۔ وہاں کا ماحول انہیں دلخراش نظر آنے لگتا ہے۔ اسی لئے دھرم ستھانوں میں بھی آج کل دل لگی کے سامان مہیا کرنے کی تجاویز عمل میں لائی جا رہی ہیں جہاں دل بہلاوہ نہ ہو وہاں میدان خالی رہے گا۔

پھر میرا دوست کہنے لگا بھلا یہ تو بتاؤ کہ جب لوگ سب کچھ دیکھتے بھالتے اور سمجھتے ہوئے بھی ایسی راہ عمل پر چلتے ہیں جس سے وہ دکھ میں پڑیں تو پھر تم ان کو کیسے روک سکتے ہو۔ تمہاری کوشش کی وجہ سے نہ تو وہ تمہارا احسان مانیں گے اور نہ ہی کوڑی جیب سے نکال کر دیں گے۔ خواہ تم فاقوں پر فاقے گذار رہے ہو۔ میرے پیارے! تم اپنے وعظ و تدریس کا باب ختم کرو۔ وہ تمہاری غریبی کا تماشا دیکھتا ساتھی تھا۔ تم اپنے آپ میں مست رہو۔ اگر تم دوسروں کے لئے کچھ کروگے تو وہ اس کے لئے مشکور ہونے کی بجائے اسے تمہاری کسی مطلب براری اور خود غرضی سے منسوب کریں گے۔ میری بات مانو اور کسی بھی قیمت پر اپنے آرام و آسائش کا خون نہ کرو۔

اتنا کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور انگیٹھی کی طرف جا کر آگ تاپنے لگا۔ مجھے اس کی اس قسم کی گفتگو سن کر رنج ہوا اور میں نے چلتے ہوئے بھی کہہ دیا کہ اگر آپ اس قدر خوش شکل

نہ ہوتے تو میں آپ کو پتھر کے دل والا کہتا۔ لیکن آپ کی موہنی مورت آپ کے اِن خیالات کی تردید کرتی ہے۔ حقیقت میں جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ آپ کے دل میں نہیں ہے آپ انسانی زندگی کی طرف سے اتنی بے اعتنائی نہیں دکھا سکتے۔ بھلا بتایئے تو ہی کیا آپ ہمیشہ نیکی کرنے کی کوشش نہیں کرتے؟

میری یہ باتیں سنکر میرا دوست مسکرایا اور کہنے لگا ہاں یہ بات ضرور ہے کہ میں ہر آدمی کی خواہش پوری کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہوں۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ اچھا کرتا ہوں یا برا پھر انسانی خواہشات لامحدود ہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اِن کی خواہشات ہمیشہ نیک نہیں ہوتیں اور پھر جس کی مجھ سے ایک بار شناسائی ہو جائے۔ وہ مجھ سے قطع

نامِ کرشن

نامِ کرشن مالکِ ہر دو جہاں۔ نامِ کرشن مالکِ کون و مکاں
نامِ کرشن بے نظیر و بے مثال۔ نامِ کرشن پُر ضیا و ذوالجلال
نامِ کرشن خالقِ ارض و سما۔ نامِ کرشن منبعٔ نور و ضیا
ذکر کن شام و سحر تو ذکر کن۔ تو ہمیں ہر لحظہ ہر دم فکر کن
آں قدیر کُل خبیرِ کُل سماں۔ عالمِ کُل عقلِ کُل او بیگماں
ہستیٔ مطلق او ذاتِ کبریا۔ مہر و ماہ یا بند از و نور و ضیا
آنکہ نوری مے نماید در جہاں۔ عکس روئے یار باشد بیگماں
از برائے عابدانِ نیکو کار۔ صورتِ انساں بکند اختیار
خوبرو ‌اں راہمیں سردار او۔ او سحابِ کرم گوہر بار او
پیکرِ حسن و ضیا محبوب او۔ عاشقاں را سر بسر مطلوب او
وردِ کن نامِ مبارک صبح و شام
گر صفی خواہی کہ باشی شاد کام

نوٹ: یدی تو یہ چاہتا ہے کہ تجھے کرشن پراپتی ہیں سپھلتا ہو تو ہر سمے اُنہیں پربھو پرشوتم کے پوتر نام کا جاپ کر۔ صفی

از شری جگن ناتھ کھنہ بی اے بی ٹی برندابن لوا سی

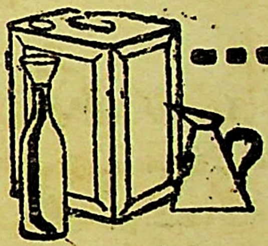
ترجمہ

تری لوکی پتی بھگوان کرشن جو لوک اُپری لوک کے سوامی ہیں اور اُدوتی ہیں جو اپنے دِوّیہ پرکاش سے دیدیمان ہو رہے ہیں جو بھو لوک اور گگن منڈل کے رچیتا ہیں اور پرکاش اور جیوتی سروت ہیں اننتانت جن کے انگوں سے دِوّیہ پرکاش کی چھٹا نکل رہی ہے ایسے ادبھد بھگوان کے پاون نام کا تو پراتہ کال اور سائنکال جاپ کر اور ہر وقت اُن کے نام کی مالا پھیرتا رہ۔ اور اُسی کا سدیو کال چنتن کر۔ (۵) وہ سروشکتی مان پربھو جو انتریامی ہیں اور گھٹ گھٹ کی جاننے والے ہیں۔ (۶) اور شردھا سروگیہ اور سمشٹی بدھی کے مالک ہیں ہر دو ایک برہم کہلانے والے ہیں جو سورج اور چندرما کو روشنی دینے والے ہیں۔ (۷) جو وستو اس وشو میں چمکدار دکھائی دیتی ہے اُس پرتیم کی من موہنی چھبی کا پرتی بمب ہی سمجھو اننتانت پرکاش خواہ کسی روپ میں ہی ہو۔ اِن کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا (۸) وہی اپنے بھگتوں کی خاطر منشیہ دیہہ دھارن کر کے پرتھوی پر اُترتے ہیں (۹) دنیا میں جتنے سندر پرش ہیں آپ اِن کے شرومنی ہیں۔ اور آپ ہی کرپا کا میگھ بن کر موتیوں اور مکتوں کی درشٹی کرتے ہیں (۱۰) آپ ہی سوندریہ اور کانتی کے اوتار ہیں اور سب کے پریتم ہیں اور اپنے بھگتوں کا دھیہ ہیں اننتانت جن کی پراپتی کے لئے بھگت جن اجیون یتن کرتے ہیں۔ (۱۱) اے صفی تو



پٹرول

مٹی کا تیل



اب لیٹروں

میں بکتے ہیں

پٹرول کی صنعت نے چونکہ میٹرک نظام کو اپنا لیا ہے لہٰذا پٹرول اور مٹی کا تیل اب لیٹروں کے حساب سے فروخت ہونے لگے ہیں۔
اس تبدیلی کا قیمتوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

گیلن		لیٹر	گیلن		لیٹر	لیٹر		گیلن	لیٹر		گیلن
۱	...	۴٫۵۵	۲۰	...	۹۰٫۹	۱	...	۰٫۲۲۰	۲۰	...	۴٫۴
۲	...	۹٫۰۹	۳۰	...	۱۳۶٫۴	۲	...	۰٫۴۴۰	۳۰	...	۶٫۶
۳	...	۱۳٫۶۴	۴۰	...	۱۸۱٫۸	۳	...	۰٫۶۶۰	۴۰	...	۸٫۸
۴	...	۱۸٫۱۸	۵۰	...	۲۲۷٫۳	۴	...	۰٫۸۸۰	۵۰	...	۱۱٫۰
۵	...	۲۲٫۷۳	۶۰	...	۲۷۲٫۸	۵	...	۱٫۱۰۰	۶۰	...	۱۳٫۲
۶	...	۲۷٫۲۸	۷۰	...	۳۱۸٫۲	۶	...	۱٫۳۲۰	۷۰	...	۱۵٫۴
۷	...	۳۱٫۸۲	۸۰	...	۳۶۳٫۷	۷	...	۱٫۵۴۰	۸۰	...	۱۷٫۶
۸	...	۳۶٫۳۷	۹۰	...	۴۰۹٫۱	۸	...	۱٫۷۶۰	۹۰	...	۱۹٫۸
۹	...	۴۰٫۹۱	۱۰۰	...	۴۵۴٫۶	۹	...	۱٫۹۸۰	۱۰۰	...	۲۲٫۰
۱۰	...	۴۵٫۴۶				۱۰	...	۲٫۲۰۰			

۱ گیلن = تقریباً ۴½ لیٹر

میٹرک نظام

آسانی اور یکسانی کے لئے

جاری کردہ حکومت ہند

DA-60/9

Monthly 'OM' Delhi.

Vol. 27 August, 1960 Regd. No. D. 84

Title Printed at Kanwal Art Press, Ajmeri Gate, Delhi